مرکزی مجلس رضا لاہور،

ماضی، حال اور مستقبل

ظہور الدین خان امرتسری

مرکزی مجلس رضا، لاہور

ماضی، حال اور مستقبل

مضمون مطبوعہ ''ماہنامہ مہر و ماہ'' پر

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی رائے

آپ کی تحریر پڑھ کر کسی دانشور کی یہ بات یاد آئی کہ

''مؤرّخ کا قلم بڑا راز دار ہوتا ہے۔''

بے شک بہت سے حقائق قلم میں گم جاتے ہیں!

(مکتوب بنام ظہور الدین خان مؤرخہ ۲۸ فروری سنہ ۲۰۰۰ء)

ادارہ پاکستان شناسی لاہور

2/24 سوڈھیوال کالونی ملتان روڈ لاہور۔ 54500 فون: 0322-4005952

Rs. 100/-

﴾جملہ حقوق محفوظ ہیں﴿

نام کتاب	:	مرکزی مجلس رضا، لاہور ماضی، حال اور مستقبل
مصنف	:	ظہورالدین خاں امرتسری
سال اشاعت	:	۲۰۲۱ء
ضخامت	:	۸۸صفحات
تعداد	:	گیارہ سو
ناشر	:	ادارۂ پاکستان شناسی ۲/۲۴ سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ، لاہور، ۵۴۵۰۰
قیمت	:	۱۰۰ (سو روپے)

ڈسٹری بیوٹر

خان بک کمپنی: ۳۰ کورٹ اسٹریٹ، لوئر مال، لاہور

فون: ۰۳۰۰_۴۷۹۱۹۰۸ ، ۰۴۲_۳۷۳۲۵۴۶۳

مشمولات

نمبر شمار		صفحہ نمبر
☆	مرکزی مجلس رضا کی کہانی، قیام وانہدام کا اجمالی جائزہ	۵
۱	Devotional Islam & Politics in British India (عکس سرورق)	۹
۲	تذکرہ انجمن تبلیغ الاحناف امرتسر	۱۲
۳	''یوم رضا'' (سالانہ عرس امام احمد رضا) کی روح پرور تقاریب	۱۴
۴	مکتوب گرامی حکیم محمد موسیٰ بنام ملک شیر محمد اعوان	۱۶
۵	فتویٰ ''جہاد افغانستان درنظر علماء اہلسنت پاکستان''	۲۰
۶	''جہان رضا'' کے نام سے کتب فروشی یا دین فروشی	۲۲
۷	اکابر مشاہیر کو زندہ درگور کیے جانے کا المیہ	۲۵
۸	علمی وفکری مساعی کے بجائے رسوم کے فروغ کی حوصلہ افزائی	۲۶
۹	آل پاکستان سنی کانفرنس دارالسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ (۱۹۷۰ء)	۲۹
۱۰	آل پاکستان سنی کانفرنس ملتان (۱۹۷۸ء)	۳۱
۱۱	پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کا قیام	۳۱
۱۲	اے ٹی آئی کے سابق راہنمایاں کی بے قراری	۳۲
۱۳	مرکزی مجلس رضا کا آخری سالانہ جلسہ ''یوم رضا'' (۱۹۸۶ء)	۳۳
۱۴	خائن خازن کا کردار اور صدر مجلس	۳۵
۱۵	سکوں کی جھنکار نے نام نہاد علما کو خزانچی کا گرویدہ بنا دیا	۳۸
۱۶	کتاب جو چھپ نہ سکی	۳۸
۱۷	''میراث موسوی'' سے مجاوری تک	۳۹
۱۸	خدشات جو پورے ہوئے	۳۹
۱۹	(۱۹۸۶ء) فلک نے اوج ثریا سے زمیں پر دے مارا	۴۰

۲۰ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے بانی کے نام حکیم صاحب کا مکتوب ۴۳
۲۱ ''مرکزی بزم رضا کو کھا گئی کس کی نظر''؟ ۴۷
۲۲ آہ! مرکزی مجلس رضا ۴۸
۲۳ ''مرکزی مجلس رضا ختم کر دی گئی'' (پریس ریلیز) ۴۹
۲۴ مراسلہ عبدالحکیم شرف قادری بنام جنرل سیکریٹری مجلس رضا ۵۰
۲۵ رضا اکیڈمی بمقابلہ مرکزی مجلس رضا ۵۴
۲۶ مجلس رضا کے خائن خازن کے علاو کیل صفائی ۵۵
۲۷ مستشرقین کا حکیم محمد موسیٰ کی خدمات کا اعتراف ۵۷
۲۸ مال و دولت جمع کرنے کی حرص اور جاہ طلبی ۵۸
۲۹ مراسلہ حکیم محمد موسیٰ بنام جنرل سیکریٹری مجلس رضا ۵۹
۳۰ فاضل شہیر عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری کا منظوم خراج عقیدت ۶۰
۳۱ مکتوب پروفیسر محمد مسعود احمد بنام اقبال احمد فاروقی ۶۲
۳۲ مجاہد الحسینی، سابق مدیر ''خدام الدین'' کا تعزیتی خط ۶۴
۳۳ مطب حکیم محمد موسیٰ ـــــ مرد درویش کی خانقاہ ۶۵
۳۴ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کے لیے حکیم صاحب کی خدمات ۶۵
۳۵ ''تذکرہ علمائے اہل سنت'' اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۶۷
۳۶ تذکرہ اکابر اہل سنت کے ''ابتدائیہ'' سے حکیم صاحب کی تحریر حذف کر دی گئی ۷۰
۳۷ مجلس رضا کی کتاب ''امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم'' میں ردوبدل ۷۰
۳۸ ڈاکٹر حقی حق کی کتاب ''کوڑھ کی کاشت'' سے ایک اقتباس ۷۴
۳۹ علماء ربانیین کا شاندار ماضی ۷۸
۴۰ تنظیم المدارس پاکستان کے علماءِ کرام اور انتخاب ''امیر المومنین'' ۷۹
۴۱ حکومت کے کاسہ لیس مولویوں سے حکیم صاحب کی بے زاری ۸۴
۴۲ تحریک پاکستان کے مبلغ اعظم حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی کا روح پرور تذکرہ ۸۶

مرکزی مجلس رضا کی کہانی

قیام وانہدام کا اجمالی جائزہ

قیام پاکستان کے بعد بوجوہ ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا، لگ بھگ سبھی مسالک میں چند نام نہاد دینی قائدین کی منفی روش اور یلغار نے ایسے ماحول کو جنم دیا جس سے مذہبی و ملی فرقہ واریت نے مسلم اُمہ کو منتشر کرنے میں اہم کردار ادا کیا، نفرت، بغض اور تعصب کی فضا نے عالم اسلام کی یک جہتی کو یکدم تباہی کی سمت دھکیل دیا نام نہاد راہنمایاں اکابر دین و ملت نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق نئی جماعتیں اور تنظیمیں بنانے کے بعد نفرت انگیز لٹریچر کی ترویج و اشاعت کی بھرمار کر دی نتیجتاً عوامی سطح پر برسرِ پیکار ہونے کا چلن فروغ پا گیا۔

اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ اور اسلام دشمن لابی کی سازشیں کامیاب بنانے میں اپنوں کا حصہ نمایاں ہے۔ اس پرفتن دور میں سوادِ اعظم کا کردار بڑی حد تک مثبت رہا۔ بعض جید علماء و مشائخ کی کاوشیں باطل تحریکوں کے راستے میں حائل رہیں اور تحفظ ناموس رسالت کے علمبرداروں اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ممد و معاون ثابت ہوئیں۔ عاشقان رسولِ انام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام مشکل حالات کا تندہی سے مقابلہ کیا۔ اسی دور میں ایک فعال اور عظیم مقاصد کا حامل دینی ادارہ ''مرکزی مجلس رضا'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اِس ادارہ کے اغراض و مقاصد نسل تک پہنچانا میرے نزدیک دینی و ملی فریضہ اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔

محقق عصر حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی محتاج تعارف نہیں آپ عظیم دانشور، سچے مورّخ اور علم و حکمت کا انسائیکلو پیڈیا تھے۔ آپ نے قومی امانت جانتے ہوئے اپنا ذاتی کتب خانہ جو ۹ ہزار کتب پر مشتمل تھا پنجاب یونی ورسٹی کو ودیعت کر دیا۔

حکیم صاحب نے مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر اور ان کے علوم وفنون کو پوری دنیا میں روشناس کرانے کا مصمم ارادہ کیا اور ۱۹۶۸ء میں ''مرکزی مجلس رضا'' کے قیام کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔

مرکزی مجلس رضا کی مخلص کارکنوں پر مشتمل تنظیم سازی کی گئی اور مشاورت کے عمل سے عہدیداران اور ایگزیکٹو باڈی کا چناؤ عمل میں لایا گیا۔

مجلس ہٰذا کے منتخب عہدیداران نے مشاورت سے اس ادارہ کے اغراض و مقاصد کو حتمی شکل دی اور باقاعدہ دستور مرتب کر کے شائع کر دیا گیا۔

اس دستور میں صدر کے اختیارات کو خصوصی اہمیت دی گئی کہ وہ تمام انتظامی امور کی مکمل نگرانی کرے گا مگر افسوس یہ مرحلہ بھی چشم فلک نے دیکھا کہ ایک ایسے صاحب صدر نشین بن گئے جو بالفعل اس کے اہل ہی نہ تھے۔ انھوں نے اپنی ذمہ داری کو پس پشت ڈال دیا اور انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کیا۔ صدر کے اس غیر مناسب رویہ نے گویا مجلس کے انہدام کی بنیاد رکھ دی۔

قارئین کرام کی مکمل آگاہی کے لیے زیر نظر مقالہ حالات و واقعات کی عکاسی کا فریضہ انجام دینے کے لیے پوری ذمہ داری کے ساتھ سپرد قلم کیا گیا ہے۔

ظہور الدین امرتسری

سابق سیکریٹری مرکزی مجلس رضا

مرکزی مجلس رضا، لاہور

ماضی، حال اور مستقبل

محقق عصر، حکیم ملت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری قدس سرہٗ کو اپنے طرز زندگی سے وہ مقام و مرتبہ حاصل ہو گیا تھا جس بنا پر دنیا بھر سے وہ لوگ جو مسلم انڈیا کے بارے میں کسی بھی موضوع پر ریسرچ کرنے میں مصروف ہوتے وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو جب بھی وہ پاکستان آتے تو ان کی مجبوری تھی کہ وہ حکیم محمد موسیٰ کے ہاں حاضری دیں۔ کیونکہ حکیم صاحب مرحوم سے انھیں تمام متعلقہ اور ضروری مواد میسر آ جاتا۔ چنانچہ ان میں یورپ کے اسکالر بھی ہوتے تھے اور بھارتی علما بھی، ہندوستانی خاتون ڈاکٹر اوشا[1] سانیال بھی انھی محققین میں شامل ہیں جنھوں نے اپنے گراں بہا مقالہ

"Devotional Islam and Politics in British India Ahmed Riza Khan Barelwi and His Movement 1870-1920".

---

(۱) ڈاکٹر اوشا سانیال یو کے سے راقم الحروف کے نام اپنے مراسلہ مورخہ ۴۔ دسمبر ۱۹۹۲ء میں لکھتی ہیں:

"........ I am happy to enclose a copy for you with my compliments. If more copies are needed or if others wish to buy a copy please contact (or ask the others to contact)the Karachi office Oxford University Press.

If any reviews of the boo': are published, or any thing else

(باقی برصفحہ آئندہ)

کے وقیع موضوع پر تحقیق کر کے کولمبیا یونی ورسٹی، امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی (جو ۱۹۹۶ء میں آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، دہلی سے شائع ہوا اور ۳۶۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس مقالہ کی کتابیات Bibliography کے صفحہ ۳۵۷ پر انٹرویوز (Interviews) کے زیرعنوان جناب حکیم صاحب کے بارے میں انھوں نے ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا ہے۔

"Amritsari Hakim Muhammad Musa, President, Markazi Majlis-e-Riza, Nuri Masjid, Lahore; An Authority on the Ahl-e-Sunnat in Current Day Pakistan. 19 November 1986. At Lahore".

حکیم محمد موسیٰ مرحوم تنظیم ساز کریکٹر کے مالک تھے، تنظیموں پر پیسہ بھی خرچ کرتے تھے اور ان کو پوری طرح سہولتیں فراہم کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ ایسا شخص حکومت کی نظروں میں نہ آئے یا اس کے روزمرّہ پر حکومتی نظر نہ ہو۔ ایک طرف تو وہ کتاب کے ذریعے ذہنی انقلاب برپا کر رہے تھے اور دوسری طرف پاکستان کے علما کی جمعیت ان سے فکری راہنمائی بھی حاصل کرتی تھی۔ امام احمد رضا کا پیغام کوئی معمولی نہ تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

connected with my book in Urdu or English, any where in Pakistan. I would be grateful if you could send me photo copies."

ڈاکٹر اوشا سانیال پروفیسر اسلامیات اور ساؤتھ ایشین اسٹڈیز، ویسٹرن واشنگٹن یونی ورسٹی نے اپنے محولہ بالا انگریزی مقالہ میں امام احمد رضا کے سیاسی افکار و نظریات پر بحث کی ہے ___ راقم نے جب اس کتاب کا تذکرہ حکیم صاحب سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میرے ذخیرہ کتب پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کے لیے ایک جلد خرید کرلی جائے، یہ کام صرف بھارت کی سرزمین پر ہی ہونا تھا (آپ نے شاید یہ بات

Devotional Islam and Politics in British India

Ahmad Riza Khan Barelwi and his Movement, 1870 – 1920

USHA SANYAL

DELHI
OXFORD UNIVERSITY PRESS
BOMBAY CALCUTTA MADRAS
1996

اندرونی عکس سرورق

"Devotional Islam & Politics in British India"

مطبوعہ بھارت 1996ء

یہ پیغام اتحاد کی علامت تھا محبت کی علامت تھا اور ہے اور سخت ترین ماحول میں اپنی شناخت برقرار رکھنے کا بہترین سامان بھی ____ جمعیت کے مذہبی و سیاسی قائدین کے لیے مجلس رضا کی صورت میں ایک ایسا پلیٹ فارم میسر آ گیا تھا جس کے ذریعے وہ مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے ''یوم رضا'' سے اپنا پیغام نشر کر سکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس لیے فرمائی کہ پاکستان میں تو کسی حکومتی ادارے کی جانب سے نظریہ پاکستان کی مخالف جماعت جمعیت العلماء ہند پر ہی مقالہ لکھوا کر شائع ہو سکتا ہے دو قومی نظریہ کے حامیوں پر نہیں) حکیم صاحب کی بہرکیف صائب رائے اور فکر کس قدر درست ہے جس کا کچھ اندازہ ان تعارفی کلمات اور تبصرہ سے ہو جاتا ہے جو جامعہ اسلامیہ، نئی دہلی کے پروفیسر اور صدر شعبہ تاریخ و ثقافت ڈاکٹر جمال الدین سید نے ''پیغام رضا'' ممبئی کے اول شمارہ خصوصی امام احمد رضا نمبر (۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء) پر کیا ہے ____ پاکستان میں جس سفر کا آغاز آج سے تیس سال قبل روشن اسٹریٹ نیا مزنگ لاہور (مرکزی مجلس رضا کا پہلا دفتر اسی جگہ تھا) سے ہوا آج اس کی روشنی سے ایک عالم منور ہو رہا اور وہ مشن اب آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس کے ذریعہ پوری دنیا میں پھیل رہا ہے، اس سفر کی ایک ادنیٰ جھلک ذیل کے اقتباس میں ملاحظہ کر لیجیے، سید صاحب موصوف فرماتے ہیں:

''مولانا رحمت اللہ صدیقی نے صحیح لکھا ہے کہ پاکستان میں تحقیقات امام احمد رضا کے سلسلہ میں زیادہ منظم کاوشیں ہو رہی ہیں اور متعدد تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں، اس ضمن میں ہندوستان میں کم کام ہوا ہے۔

گزشتہ سال ہندو نژاد نیویارک میں سکونت پزیر خاتون اوشا سانیال کی تحقیقی کتاب بعنوان:

"Devotional Islam & Politics in British India Ahmed Riza Khan Barelwi and His Movement, 1870-1920"

آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے اصحاب فکر معاف کریں گے کہ امام احمد رضا کی فکر کے حوالہ سے اس کتاب کے علاوہ جتنی بھی تصانیف میری نظر سے گزری ہیں ان میں اعلیٰ حضرت کے افکار کا تاریخی پس منظر تقریباً مفقود ہے، اوشا سانیال نے نو آبادیاتی عہد کے ہندوستان کی مذہبی، اصلاحی، علمی، تعلیمی اور سیاسی و سماجی تحریکوں کے سیاق میں اعلیٰ حضرت کے افکار اور ان کی تحریک کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔۔ اس جگہ جو نکتہ قابل غور ہے وہ یہ کہ افکار اعلیٰ حضرت کا جائزہ لینے کے لیے اپنی فکر و نظر کو وسعت دینے کی ضرورت ہے۔''

(پیغام رضا، ممبئی (مفتی اعظم نمبر) جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء صفحہ ۳۵۲ اور ۳۵۳)

تھے چونکہ مجلس کے سالانہ اجتماع میں پاکستان کے کونے کونے سے شرکت کے لیے لاہور میں آنے والے عاشقانِ تعلیماتِ حضور اکرم ﷺ اور وفا شعاروں کا جم غفیر ہوتا اور یہ اجتماع لاہور کے اہم اور مرکزی مقام مقابل ریلوے اسٹیشن، نوری مسجد میں منعقد ہوتا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ حکیم صاحب کی تحریک پر نہ صرف برعظیم پاک اور بھارت بلکہ مصر، یورپ اور دیگر ممالک میں بھی ایسی تقاریب کا اہتمام ہونے لگا اور اس کے ساتھ ساتھ لٹریچر کی اشاعت بھی اور آج دنیا کی بیشتر جامعات میں عاشق حضور پاک ﷺ امام احمد رضا کی تالیفات و تصنیفات کے حوالہ سے جو تحقیقی کام ہو رہا ہے وہ حکیم صاحب کا مرہون منت ہے، یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ انھوں نے دورِ حاضر میں تنہا جو کام کر دیا آج ہم وسائل ہونے کے باوجود پوری جمعیت کے ساتھ نہیں کر پا رہے ہیں۔

اس امر کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا کے قیام سے پہلے بایں سلسلہ جو حالت دگرگوں تھی اس کا تذکرہ ایک الگ باب کا متقاضی ہے، یہ صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ خدا نے چاہا تو آئندہ کسی وقت اس کو صفحہ قرطاس پر منتقل کیا جائے گا۔ دراصل ہوا یوں کہ امام احمد رضا کی وفات سے پچاس سال بعد تک کوئی ایسی علمی تحریک پیدا نہ ہو سکی جو امام موصوف کے آثار علمی کے تحفظ و اشاعت اور ان پر تحقیق و تصنیف کو اپنا مقصد بناتی۔ مشہور نقاد ابو سلمان شاہ جہانپوری گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی کے مجلّہ ''علم و آگہی'' کے شمارہ بابت ۷۵-۱۹۷۴ء بعنوان ''برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے'' جلد دوم کے باب شخصیاتی علمی ادارے میں صفحہ ۱۳۴ پر ''مرکزی مجلس رضا۔ لاہور'' کے تحت حکیم محمد موسیٰ صاحب کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''ہر کام کے لیے قدرت کی طرف سے وقت مقرر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کام کی سعادت بھی روز اول سے کسی خوش نصیب کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔ مجلس رضا کے قیام کے لیے ۱۹۶۸ء کا سال مقدر تھا اور اس کام

کی سعادت حکیم محمد موسیٰ صاحب کے ناصیہ زیبا میں لکھی تھی۔ چنانچہ جب وہ وقت آیا تو قدرت نے حکیم محمد موسیٰ صاحب کے دل میں مجلس کا قیام و انتظام کا داعیہ پیدا کر دیا اور مجلس نے خدا کے بھروسہ پر علمی خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں۔"

حکیم محمد موسیٰ علیہ الرحمہ کی بے بہا اور ناقابل فراموش خدمات اور ان کی دینی و تبلیغی مساعی اور علمی کاوشوں کے سلسلہ میں مجلس رضا کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "یوم رضا" کا ضمناً ذکر اوپر آچکا ہے ___ مرکزی مجلس رضا کے روح رواں اور بانی وصدر جناب حکیم محمد موسیٰ کو "یوم رضا" کی مقدس تقریب سے جو عشق کی حد تک لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے اور ان کا یہ پاکیزہ اور کس قدر نفیس خیال تھا کہ مجلس کے "یوم رضا" (سالانہ عرس امام احمد رضا) کی تقریب کو وہ عین اس نہج پر لے جائیں گے جس طرح کہ حضرت امام اعظم کے سالانہ عرس کے موقع پر منعقد ہونے والے اجلاس، قیام پاکستان سے قبل، انجمن تبلیغ الاحناف، امرتسر (قائم شدہ ۱۹۱۲ء) اور لاہور میں انجمن حزب الاحناف (قائم شدہ ۱۹۲۵ء) کے زیر اہتمام انعقاد پزیر ہوتے، امرتسر میں منعقدہ ایسے ہی عرس مبارک کی ایک روداد اس مرد درویش اور دین حنیف کے سچے خادم کی زبانی سنیے جسے آج دنیا "حکیم اہل سنت" کے نام سے جانتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"امرتسر کے احناف نے "انجمن تبلیغ الاحناف" قائم کر رکھی تھی۔۔۔ اس انجمن کے زیر اہتمام سیدنا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس مبارک ہر سال مسجد میاں جان محمد ہال بازار میں نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا۔ عرس مقدس کے سہ (۳) روزہ جلسوں میں مقامی علما کے علاوہ متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر علما و فضلا اور مشائخ عظام شمولیت فرما کر اپنے مواعظ حسنہ سے عوام کو مستفیض فرماتے تھے۔ اس عرس مبارک کی اہمیت واضح کرنے

کے لیے اس میں شرکت فرمانے والے علما میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

امیر ملت حضرت حافظ الحاج سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، شیخ العرفا حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی، صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مبلغ یورپ حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی، حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری ثم لاہوری، ابوالمحامد حضرت مولانا سیّد محمد محدث کچھوچھوی، بلبل بستان رسالت حضرت مولانا محمد یار فریدی بہاولپوری، مناظر اسلام مولانا حکیم قطب الدین جھنگوی، حضرت مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور، حضرت مولانا عبدالمجید قادری والد ماجد مولانا عبدالحفیظ حقانی بریلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اِس عرس میں ایک دفعہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حُجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شمولیت فرما کر مسلمانانِ امرتسر کو اپنی فاضلانہ تقریر سے مستفید فرمایا تھا۔ شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی اور حضرت مولانا سردار احمد محدث لائلپوری (رحمہما اللہ تعالیٰ) بھی اس عرس میں شرکت فرماتے رہے مگر اس وقت یہ حضرات جوان علما میں شمار ہوتے تھے۔

ایسا عظیم الشان تبلیغی جلسہ مَیں نے پھر کبھی نہیں دیکھا۔ ایک خاص قسم کی روحانی ونورانی محفل ہوتی تھی۔ اس عرس مبارک کے جلسوں میں امرتسر کے مسلمانوں کو دوقومی نظریہ کی صداقت بتا کر تحریکِ پاکستان کی تائید و حمایت کے لیے تیار کیا گیا۔ ۱۹۴۵-۴۶ء میں اس عرس شریف کے موقع پر

صدر الافاضل محمد نعیم الدین مراد آبادی، حضرت امیر ملت علی پوری اور حضرت محدث کچھوچھوی (رحمہم اللہ) نے تحریک پاکستان کے حق میں جو مدلل اور پُر مغز تقریریں کی تھیں، ان کے بعض حصے ابھی تک میرے حافظہ میں محفوظ ہیں اور اچھی طرح یاد ہے کہ ان بزرگوں کی تقاریر نے امرتسر کے کانگریسی اور احراری مولویوں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا تھا''۔ (۱)

مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے ''یوم رضا'' (عرس امام احمد رضا) کے تمام سالانہ اجلاس اس پر شاہد عادل ہیں کہ یہ محافل بھی مذکور بالا روحانی و نورانی محفل کا پرتو تھیں جس کا تذکرہ حکیم محمد موسیٰ صاحب نے فرمایا کیونکہ یہ سارا کام خلوص و للّٰہیت کی بنا پر سرانجام دیا جارہا تھا اور اس کا ثمرہ تھا کہ جو شخص ''یوم رضا'' کی مقدس تقریب میں ایک مرتبہ شمولیت کر جاتا تو وہ یقیناً آئندہ سال کے لیے انتظار کرتا رہتا اور امید ہو چلی تھی کہ مرکزی مجلس رضا کی تحریک ملک گیر صورت اختیار کر جائے گی بڑے شہروں کے علاوہ پاکستان کے قصبات تک میں ''مجلس رضا'' کے نام سے دفاتر قائم ہونا شروع ہو گئے اور اراکین مجلس رضا نے حکیم صاحب علیہ الرحمہ کی راہنمائی میں اپنے وسائل کے مطابق ان علاقہ جات میں لٹریچر کی اشاعت شروع کر دی۔ حکیم صاحب کی جانب سے بحیثیت داعیِ یوم رضا منانے کی جو اپیل جولائی ۱۹۸۶ء تک کی جاتی رہی اور جس نے ایک رُوح پھونک دی تھی وہ آپ بھی پڑھ لیں:۔

''مرکزی مجلس رضا لاہور، اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد ملت شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کی علمی دینی اور ملی خدمات جلیلہ کے تعارف کے لیے کتب و رسائل شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال آپ کے یوم وصال

(۱) مولانا غلام محمد ترنم از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مطبوعہ انجمن تبلیغ الاحناف ۱۹۷۱ء ص ۲۵-۲۷

(عرس مبارک) کے موقع پر جلسہ یوم رضا کا انعقاد کرتی ہے جس میں ملک کے نامور علما، فضلا اور دانشور حضرات چودھویں صدی کے مجدد کی عظیم علمی خدمات اور بے مثال تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ روح پرور تقریب جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور منعقد ہوتی ہے۔

ازیں علاوہ مرکزی مجلس رضا لاہور کی طرف سے ملک کے گوشہ گوشہ میں جلسہ ہائے یوم رضا منعقد کرنے کی ہر سال اپیل کی جاتی ہے اس تحریک سے ملک کے اکثر مقامات پر یوم رضا منایا جانے لگا ہے مگر ہم اس میں مزید وسعت کے خواہاں ہیں لہٰذا علماءِ کرام اور اہلسنت کی انجمنوں سے اپیل ہے کہ وہ یوم رضا کو وسیع پیمانے پر منانے کا اہتمام کیا کریں''۔

ع: دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

هم نئی زندگی کے مطرب ہیں
زمزمے ولولوں میں ڈالیں گے
اپنے سازِ طرب کی تانوں سے
تیرہ ماحول کو اجالیں گے
مردوں جسموں فسردہ نبضوں میں
روح پھونکیں گے جان ڈالیں گے
وہ سنو موت کے حصاروں سے
زیست آواز دے رہی ہے ہمیں
توڑ کر ہر طرح زنجیریں
ساتھیو آؤ مل کے آگے بڑھیں

مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام جس سفر کا آغاز برکت علی ہال، موچی دروازہ

لاہور سے نُوری مسجد کی جانب منتقل ہوا تھا اس میں پاکستان کے ہر گوشہ سے عاشقان تعلیماتِ رضا جوق در جوق شرکت کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک پورے ملک میں جناب حکیم صاحب قبلہ کی دعوتِ حکمت و موعظت، اخلاقِ کریمانہ اور ان کے مثالی فکر و کردار کی بدولت پھیل گئی اور ایسی امید کی کرن پیدا ہو چلی کہ یہ پاکیزہ سفر اسی منزل کی جانب رواں دواں تھا جس کا خواب حکیم صاحب نے دیکھا اور یہ خواب ان کی زندگی کا مقصدِ وحید تھا۔ یہ سفر کیوں کر اور کس طرح شروع ہوا (جس سے ہندوستان کی سرزمین جہاں گزشتہ سالہا سال سے ایک جمود طاری تھا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی) مذکورہ خواب کی ایک جھلک حکیم صاحب کے مکتوب سے جو انھوں نے ملک شیر محمد خان اعوان آف کالا باغ کو مورخہ ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو یعنی مرکزی مجلس رضا کے قیام سے بھی دو سال قبل ارسال کیا۔ سے مل جاتی ہے۔ مذکورہ مراسلہ سے ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

''ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل کے لیے آپ کو تکلیف دینا چاہتا ہوں کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کی سوانح حیات لکھ دیجیے۔ اس سلسلہ میں جملہ مواد فراہم کر دیا جائے گا اور اعلیٰ حضرت کی تمام تصانیف حاضر خدمت کر دی جائیں گی۔ اگر آپ اظہارِ آمادگی فرمائیں تو میں مواد اکٹھا کرنا شروع کر دوں........ کتاب خوبصورت چھپوائی جائے گی....... اعلیٰ حضرتؒ پر جو کتابیں آ چکی ہیں وہ مناظرانہ رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ اس لیے عوام اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتیں۔ اگر آپ دو چار سو صفحات کی کتاب لکھ دیں تو آپ کا دنیائے سنیت پر احسان عظیم ہوگا اور مسلک کی ٹھوس خدمت ہو گی۔ امید کہ آپ میری درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے۔''[1]

(۱) احوال و آثار حکیم محمد موسیٰ امرتسری از پروفیسر محمد صدیق، مطبوعہ داتا گنج بخش اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۴۴

کتاب کی افادیت و اہمیت کے علاوہ حکیم صاحب، بمصداق اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا وَاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً کی اثر انگیزی پر کامل یقین رکھتے اور اسی بنا پر وہ ''یومِ رضا'' کی سالانہ تقریب کو خصوصی اہمیت دیتے تھے۔ راقم کے والد گرامی مرحوم (مولوی قمرالدّین امرتسری متوفی: ۱۹۹۰ء) بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ (۱۸۸۳۔۱۹۴۸ء) جب تقریر فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ قرآن شریف کا نزول ہو رہا ہے۔ حکیم صاحب نے ایسے ہی اکابرِ اہل سنت کو سنا اور قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ تاہم رب ذوالجلال نے حضرت حکیم صاحب (اعلیٰ اللہ مقامہ) کی مذکورہ بالا دیرینہ آرزو کی تکمیل کر دی تھی اور سیّد جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کے بقول ''کتاب کے ساتھ محبت ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس کی مفت تقسیم ان کا شعار تھا۔ کتاب اپنے سینے میں علم کے نور کو محفوظ رکھتی ہے۔ حکیم صاحب کتاب کی خوشبو کو عام کرتے رہے۔ اس طرح وہ علم کی روشنی پھیلاتے رہے تاکہ جہالت کا اندھیرا دور ہو جائے۔''[1] اور یہ سفر ابھی جاری ہی تھا کہ ''ساتھیوں (؟) نے مل کر آگے بڑھنے'' سے روک دیا اور یہ رواں دواں قافلہ راستہ میں لوٹ لیا گیا۔ قافلہ لٹنے اور لٹانے والے کون لوگ تھے؟____ قافلہ لوٹنے والے تو اب بھی سرگرم عمل!____ لیکن لٹانے والے مہر بہ لب ہیں ع ____ ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ، ہیں اصل میں کچھ، نظر آتے ہیں کچھ، اور ایک لفظ لکھنے کے لیے تیار نہیں حالانکہ ماہنامہ ''مہر و ماہ'' اور ''کنز الایمان'' کے صفحات ان کے لیے حاضر ہیں____ وہ کس ''مشن'' کے تحت داخل ہوئے!!____ اب حکیم صاحب کے بعد از وصال ان کا کردار بتا دے گا۔ قافلہ لوٹنے والوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی آخر امام ہی کے نام پر تعمیر جامع مسجد رضا و مدرسہ ضیاء الاسلام (جسے ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء میں شمالی لاہور

(۱) ماہنامہ مہر و ماہ، لاہور (خصوصی نمبر یادگار موسیٰ) جنوری۔فروری ۲۰۰۰ء، ص ۲۰۸، ۲۰۹

کے لوگوں کی سہولت کے لیے حکیم صاحب نے مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام تعمیر کروایا) میں جائے پناہ لینا پڑی!!! ____ آخر کیوں ____؟ ایک شکاری شکار کرنے کے لیے اسی جانور کی بولی بولتا ہے اسی لیے قافلہ لوٹنے والوں نے اگرچہ امام احمد رضا کے نام پر اکیڈمیاں اور اشاعت کے لیے ادارے بھی قائم کر لیے، کتابوں کے انبار بھی لگا دیے!!! لیکن نتیجتاً تاریکی بڑھ گئی کیونکہ امام کے پیغام میں محبت اور روح مفقود ہے۔ ویسے بھی آج قلم کا دور ہے اور علم کا دور کم! اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اکیڈیمی کا رُخ اور منزل کتاب براستہ بنک اکاؤنٹ اور بنک اکاؤنٹ محض برائے کتاب قرار پائی۔ اس لیے اس ''چمک'' نے بہتوں کی آنکھیں چکا چوند کر دیں۔

رَأیتُ النَّاسَ مُذ خُلِقُوْا وَ کَانُوْا
یُحِبُّوْ نَ الغَنِیَّ مِنَ الرِّجَالِ

(ترجمہ) ''لوگوں کو مَیں نے دیکھا جب سے وہ پیدا ہوئے اہلِ دولت سے محبت کرتے آئے ہیں۔''

جیسا کہ فاضلِ ہند رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ ''پیغام رضا'' (ممبئی) نے لکھا ہے:

''اگر یہی روش زیادہ دنوں قائم رہی تو اہلسنت کا وجود کتابوں کے اوراق تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ صاحبانِ حال وقال دولت کے پیچھے اسی طرح بھاگ رہے ہیں جس طرح سیلاب کا پانی نشیب کی سمت محوِ سفر ہوتا ہے۔''[۱]

دوسری طرف ہم بزرگوں کی کمائی بے دریغ خرچ کر رہے ہیں، ایک دن آئے گا ہم تہی دست ہوں گے اور خرچ کرنے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں ہوگا!!! ____ مسندِ ارشاد پر آج فائز اہل علم وفضل اپنے افکارِ عالیہ کو دل آرا، دل آویز، دل بستہ، دلپذیر،

(۱) پیغامِ رضا (امام احمد رضا نمبر) مطبوعہ رضا دارالمطالعہ پوکھریرا سیتامڑھی، بہار (بھارت) ۱۹۹۷ء۔ ص ۲۳

دلپسند، دلچسپ، دلدوز، دل ساز، دلفروز، دلفریب، دلکش، دلکشا، دلنواز اور دل نشیں بنانے کے بجائے اپنے کردار سے دلفگار، دل زدہ، دل شکستہ، دلگیر اور دل آزاری، دلبازی، دل تنگی، دلخراشی اور دل ریشی کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں ____ مرحوم ڈاکٹر ابو اللیث صِدّیقی (۱۹۱۶ء۔ ۱۹۹۵ء) کے بقول ''جن لوگوں کا کام درس وتدریس اور تعلیم وتحقیق ہے وہ جوڑ توڑ میں زیادہ لگے رہتے ہیں۔ یہ عالم نہیں علم کے بیوپاری بلکہ بنجارے ہیں۔''[۱]

مولانا سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ علی گڑھ یونی ورسٹی کے تلمیذ رشید ڈاکٹر صدیقی صاحب موصوف کا مذکور بالا قول آج حق کے دعویداروں (؟) کو دعوتِ غور وفکر دے رہا ہے مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے محراب ومنبران علماء دین اور اہل دین کی شخصیت وکردار اور افکار وخیالات سے محروم ہو چکے ہیں جن کی تابناک شخصیت اور علمی رئیسانہ شان ایک مرتبہ قاری اور پورے مجمع کو اپنے جانب[۲] متوجہ کر لیتی۔ چونکہ حکیم صاحب مرحوم ومغفوران علماء حق کے خوشہ چیں تھے کہ جنھوں نے اپنی حمیتِ دین، فضیلتِ علم، اصابتِ فکر اور ستودگی سیرت سے ایک درسگاہ کو سربلند رکھا اور سربلند رہے ____ اس سربلندی نے حکیم صاحب کو بھی سربلند کر دیا اور مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد بھی یہی ہے۔

رَضِیْنَا قِسمَۃَ الجَبَّارِ فِیْنَا
لَنَا عِلْمٌ وَّ لِلْجُهَّالِ مَال

(ترجمہ) ''ہم اپنے درمیان اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر خوش ہیں کہ اس نے ہمیں علم اور جاہلوں کو دولت دی۔''

(۱) دیکھیے: ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کی آپ بیتی، رفت وبود (قسط نمبر ۱۸) مطبوعہ روزنامہ ''جسارت'' کراچی، ۲۷/جون ۱۹۸۰ء، ص ۶ بعنوان ''مردِ مومن''

(۲) نئے اور پرانے چراغ از آل احمد سرور، مطبوعہ ادارہ فروغ اُردو لکھنؤ ۱۹۶۳ء۔ اشاعتِ چہارم، ص ۳۹۵

حکیم صاحب کسی ایسے شخص کی علمی رائے کو ظلم سمجھتے تھے جس کی وہ اہلیت نہ رکھتا ہو اسی لیے وہ ان علما کو پسند نہیں کرتے تھے جو اپنی فضیلت و مرتبہ کے برعکس اپنی رائے کو فتویٰ کے مترادف سمجھتے ہوں۔ پیش نظر سطور رقم کرتے وقت پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کے ''ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری'' میں ایک چہار ورقی فتویٰ بعنوان ''جہادِ افغانستان در نظر علماء اہلسنت پاکستان'' ۔مرتبہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، بانی رضا اکیڈیمی، (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء) پر نظر پڑی۔ (فتویٰ میں کچھ مولویوں اور بعض نیم مولویوں کے علاوہ سیاسی مفتیوں سمیت سنتالیس (۴۷) اَسماء درج ہیں، اس فتویٰ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ بعض مولویوں کے نام دو مرتبہ شمار کیے گئے۔ فتاویٰ کی تاریخ میں ایسی مثال نہ ملے گی) فتویٰ کے صفحہ پانچ پر حکیم صاحب کے زیر دستخطی درج ذیل نوٹ بھی رقم ہے جس سے ان کی دینی و سیاسی بصیرت کی تصدیق ہوتی ہے، ملاحظہ ہو۔

''شاہ احمد نورانی صاحب نے اس فتویٰ کی تائید کرنے سے انکار کر دیا تھا ____ نیز تائید کنندگان (مفتیان کرام) میں سے بعض ان پڑھ ہیں۔ ایک ان پڑھ کو مَیں ذاتی طور پر جانتا ہوں''۔

(دستخط) محمد موسیٰ عفی عنہ

یکم دسمبر ۱۹۸۹ء

وہ شخص جو فتویٰ دینے کا مجاز ہو مفتی کہلاتا ہے۔ کسی مسئلہ پر کسی مجاز عالمِ دین کی باقاعدہ رائے ''فتویٰ'' کہلاتی ہے۔ فتویٰ شریعت کی تعلیمات پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے کسی ''ان پڑھ'' کا یہاں کیا گزر ___ !!! حکیم صاحب کے نوٹ پر کسی تبصرہ کی ضرورت تو نہ تھی، لیکن یہ بات حیرت انگیز ہے اور کسی لطیفہ سے کم بھی نہیں کہ حضرت حکیم صاحب جس مفتی کو ''ان پڑھ'' قرار دے رہے ہیں وہ مفتیانِ کرام کی صف میں شامل ہو گئے۔ انا اللہ ___

چشم فلک نے یہ نظارہ اس سے پہلے نہ دیکھا! ___ ایک طرف یہ علمی بے مائیگی اور دوسری طرف بعض بنجارے ایسے ہی ان پڑھ مفتیان کے لیے محض اپنی مطلب برآری کے لیے سرٹیفکیٹ جاری کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ''اندھیرے'' میں پھر اپنا بھی کام بن جاتا ہے ___ چور ہمیشہ نور کا دشمن رہا، علم کی روشنی میں تو ظاہر ہے کہ نقب زنی نہیں ہو سکتی؟ ___ ایک وقیع رائے ملاحظہ ہو، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، صدر شعبہ علوم اسلامیہ کے مطابق صدر پروفیسر محمد سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۷۸ء۔ ۱۹۳۹ء) فرماتے ہیں:۔

''ایسے مفتی جنھیں اپنے مذہب کے لطائف و نفائس کی خبر نہیں ان کے فتاویٰ سے احتراز چاہیئے۔''(۱)

محترمی ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی صاحب فرماتے ہیں کہ دراصل جب کوئی معاشرہ انحطاط پزیر ہوتا ہے تو اس معاشرہ کے تمام شعبے متاثر ہوتے ہیں اسی لیے آج ہم اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ چند برس قبل لاہور کے ایک مرحوم مفتی شہیر کا روزنامہ ''نوائے وقت'' کے میگزین میں انٹرویو شائع ہوا جس میں انھوں نے جنرل ضیاء الحق کو ضیاء الحق والاسلام والدین بنا دیا۔ ضیاء الحق کا دور تھا، حکیم صاحب راقم سے فرمانے لگے کہ اس انٹرویو کو محفوظ کر لو! کسی وقت کام آئے گا (؟)

علمائے دین کے حوالے سے یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حکیم محمد موسیٰ اہلِ حق کا بے حد احترام کرتے انھوں نے ماضی قریب میں ایسے علما کو دیکھا تھا جنھوں نے کبھی کسی دنیادار یا حاکمِ وقت کی مدح سرائی یا کاسہ لیسی کی اور نہ ہی چند ٹکوں کی

(۱) الجح، مطبوعہ مسلم یونی ورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۲۸ء، ص ۳

خاطر اپنی عالمانہ شان کو مجروح کیا۔ چنانچہ حکیم صاحب کی تصانیف ''مولانا غلام محمد ترنم'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء) ''ذکر مغفور'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء) ''مولانا نور احمد امرتسری'' اور ''تذکرہ مشاہیر امرتسر'' اس پر شاہد عادل ہیں ___ حکیم صاحب کی دیرینہ آرزو تھی کہ اہلِ حق کے سالاروں اور اکابر کے تذکرے ان کے شایانِ شاں مرتب ہونے چاہییں، وہ عمر بھر اس کے لیے کوشاں رہے۔ اِس میدان میں انھیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی، لیکن بہت سی بھاری بھرکم شخصیات جن پر سرے ہی سے ابھی تک قلم نہ اُٹھایا جاسکا اور بعض پر چند اوراق سامنے آئے ان پر مفصل سوانح مرتب ہونا تھیں وہ اب تک ناپید ہیں۔ اس کے لیے ہمہ وقت کام کرنے کی ضرورت ہے جس کے لیے مرکزی مجلس رضا جیسا ادارہ ہونا چاہیے، بچی کھچی مجلس یا (۱) مرحومہ مجلس رضا اگرچہ ''جہان رضا'' کے نام سے آج کل ایک ماہوار رسالہ نکال رہی ہے، لیکن اس پرچہ میں کسی علمی یا تاریخی کتاب پر تبصرہ شائع نہیں ہو سکتا بقول اس کے مدیر، کہ ان کے پاس اس قدر وقت ہی نہیں ہوتا تاہم وہ اپنے ذاتی چلائے جانے والے مکتبہ کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتب کو نمایاں مقام دیتے ہیں، یعنی اہل سنت وجماعت کا ماضی کا یہ عظیم ادارہ ایک ذاتی جاگیر بن کر رہ گیا ہے ___ اس بات کا یہاں دھیان رہے کہ حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے برادرِ اصغر مرحوم غلام مرتضیٰ (متوفی: ۱۹۹۷ء) نے راقم الحروف سے چند سال قبل ایک ملاقات میں فرمایا کہ مکتبہ نبویہ کے مالک اقبال احمد فاروقی دین کے نام پر آخر کیا کر رہے ہیں! ___ ماہنامہ ''القول السدید'' لاہور کے مدیر مسئول محمد طفیل زید مجدہٗ نے غالباً انھی احوال کے پیش نظر ستمبر ۱۹۹۰ء کے شمارہ میں صفحہ ۱۰۶ پر ایک عنوان قائم کیا ہے ___ ''اسے کیا کہیں؟ کتب فروشی یا دین فروشی!'' ___ محترم محمد عمر فاروق صاحب بیان کرتے ہیں کہ حکیم صاحب نے فرمایا تھا، فاروقی صاحب کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا ___ یہ موضوع الگ ہے۔

(۱) ع ___ اس کی رگوں میں زندگی لاؤ تو بات ہے

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ مدیر موصوف کا کبھی اس جانب دھیان گیا ہے کہ مرکزی مجلس رضا کسی زمانہ میں ''یوم رضا'' منانے کا اہتمام بھی کیا کرتی تھی؟ (۱)

حکیم صاحب قبلہ کے وصال کے چند روز بعد ہی مدیر ''جہان رضا'' کا یہ ارشاد کہ ابھی

(۱) ''جلسے صرف تماشا نہیں بلکہ قومیت کو مضبوط کرنے اور اگلی پچھلی قوم کی شخصیت کو ایک کرنے کے لیے ان کا ہونا بہت ضروری ہے''۔ (نور محمد قادری، سید۔ ''میلاد شریف اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء اشاعت ششم۔ ص ۱۵)

نوٹ: راقم الحروف نے جب ماہنامہ مہر و ماہ لاہور کے خصوصی ''یادگار موسیٰ'' نمبر جنوری، فروری ۲۰۰۰ء میں پیش نظر مضمون ''مرکزی مجلس رضا لاہور ___ ماضی، حال اور مستقبل'' پر روشنی ڈالتے ہوئے، بانی مجلس کی قائم کردہ عظیم یادگار اور تحریک ''یوم رضا'' (جو عرصہ چودہ سال سے مرکزی مجلس رضا کے موجودہ کارپردازان اور متولیان نے عمداً فراموش کی ہوئی ہے) کی جانب توجہ مبذول کروائی، تو بجائے اس کے کہ وہ آئندہ ''یوم رضا'' منعقد کرنے کا اعلان کر کے اپنی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی سے مجلس مرحومہ کے جسم و جان میں روح پھونک کر ایک تازہ ولولہ دیتے ___ لیکن ہوا یہ کہ انھوں نے فی الفور ''جہان رضا'' کے شمارہ مارچ، اپریل ۲۰۰۰ء میں صفحہ ۳۷ پر یہ خبر بطور اشتہار شائع کر دی۔:

''یوم رضا منانے والوں کے لیے مرکزی مجلس رضا ان اداروں کو مالی امداد دینے کا پروگرام مرتب کر رہی ہے۔ جو ادارے اس سال ''یوم رضا'' منانا چاہیں۔ رابطہ کے لیے پوسٹ بکس ۲۲۰۶، لاہور''

دراں حالیکہ جہان رضا کا ہر شمارہ بذات خود مالی تعاون کا خواستگار نظر آتا ہے اور یہ ''خواستگاری'' ہر شمارہ میں درج ہوتی ہے جیسا کہ اس شمارہ کے ٹائٹل کے آخری صفحہ پر بھی یہ اپیل سنہری حروف میں یوں درج ہے کہ:۔

''آپ مجلس کو فوری طور پر اپنے مالی تعاون سے نوازیں تاکہ وہ ملک میں دینی راہنمائی اور اعتقادی نشوونما کے نیک مقاصد کو پورا کر سکے۔ ترسیل زر کے لیے پتہ نوٹ فرمالیں''۔

لِمَ تقولون مالا تفعلون!

خیال رہے کہ اس وقت تحریک کو کسی معنوی فرزند کی پیدائش سے زندہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی خانہ پری کے لیے صور فاروقی سے مردہ روحوں میں جان ڈالی جاسکتی ہے جبکہ اس وقت ضرب کلیمی کی ضرورت ہے تاکہ خوابیدہ فکر و ذہن میں توانائی آسکے۔

ع: لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی!

حکیم صاحب کی یاد تازہ ہے کچھ روز تک احباب یاد رکھیں گے پھر بھول جائیں گے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ جس سے فی الحقیقت ان کے ذہنی افلاس اور مولویانہ ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے اور یہ مدیر شہیر حکیم صاحب کے مقام و مرتبہ سے ہی بے خبر! ____ چنانچہ پنجابی زبان کے مشہور شاعر سیّد وارث شاہ چشتی مرحوم (متوفی: ۱۷۹۵ء) نے بجا طور پر کہا ہے کہ: ع

وارث شاہ اوہ سدا ای رہن جیوندے
جنھاں کیتیاں نیک کمایاں نیں

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شمع کو اپنے خون سے روشن کرنے والے (حکیم محمد موسیٰ صاحب) کی اس محنت سے بڑھ کر اور نیک کام کیا ہو سکتا ہے؟

بہر کیف احسان فراموشی بلکہ محُسن کشی کی یہ ایک بدترین مثال ہے جب کہ ماہنامہ ''جہان رضا'' کا تازہ شمارہ بابت دسمبر ۱۹۹۹ء (جو حکیم صاحب کے وصال کے بعد شائع ہوا) کے بیرونی سرورق پر بیادِ امام اہلسنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے تحت اب بھی ''بانی مجلس حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ'' کے الفاظ رقم ہیں[1]۔

(۱) جناب خواجہ رضی حیدر اپنے مکتوب بنام میاں زبیر احمد، مورخہ یکم جون ۲۰۰۰ء میں جہاں بانی مرکزی مجلس رضا، حکیم محمد موسیٰ صاحب کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کرتے ہیں وہیں ایسے قبیل قلیل کا تذکرہ کرنا بھی ضروری گردانتے ہیں، مذکورہ مکتوب سے ذیل میں متعلقہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ سے یقیناً مجھ کو ایک قلبی تعلق رہا ہے اور ان کی خدمات عالیہ کا معترف و مداح بھی ہوں۔ یہاں اکثر تذکرہ کرتا رہتا ہوں اگرچہ بعض پیشانیوں پر بل آجاتے ہیں مگر مَیں نے اپنی بات کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ وہ یقیناً مسلک اہلسنت کے علمی محسن تھے۔ ان کی حوصلہ افزائی نے ایک فوج ظفر موج لکھنے والوں کی تیار کر دی اور آج اسی فوج پر ناز بھی کیا جا رہا ہے، لیکن حکیم صاحبؒ کے تذکرہ پر ناک بھوں سکیڑی جا رہی ہے۔۔۔ یہ ہم سنیوں کا عجب مزاج ہے۔''

ایک بات اور توجہ طلب ہے کہ مدیر جہان رضا کی اسے خوش بختی سمجھیے یا بدنصیبی کہ انھیں مجلس رضا کے دورِ انحطاط کے دو مشیر اور عہدیدار ایسے میسر آ گئے کہ جو شخص ۵۵۔ ریلوے روڈ لاہور کا رُخ اگر کر لے بالخصوص اگر وہ بارِیش ہو تو پھر وہاں کا منظر ایک عجیب سماں پیدا کر کے زاغوں کے تصرف کے قریب تر کر دیتا ہے اور جس کے قصے زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

از خُدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

(ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ سے ہم اس کا فضل چاہتے ہیں اس لیے کہ بے ادب گستاخ، خدا تعالیٰ کی بخشش سے محروم ہو گیا۔''

مرکزی مجلس رضا کے ''حال'' کے حوالہ سے یہ چند ضروری باتیں ضمناً آ گئیں، تو بات ہو رہی تھی اہل حق کے تذکار کی، حکیم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سنّیوں نے ہر بڑے آدمی کو زندہ در گور کر دیا۔ گزشتہ دنوں اس امر کا تذکرہ جب اہلسنت و جماعت کے مشہور محقق و مورّخ مولانا محمد جلال الدین قادری سے کیا گیا تو مولانا موصوف نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے درحقیقت کسی شخصیت کو درخورِ اعتنا سمجھا اور نہ اس پر کبھی کام کرنے کی زحمت کی، اپنے اکابر کو صرف زندہ در گور ہی نہ کیا بلکہ بعد از وفات ان کی قبر کا نشان بھی مٹا دیا۔ مرحوم پروفیسر محمد اسلم (متوفی: ۱۹۹۹ء) سابق صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونی ورسٹی اپنی کتاب 'خفتگان کراچی'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء) میں ___ مزار مقدس حضرت مولانا عبدالحامد بدایونیؒ کے زیرِ عنوان یوں رقمطراز ہیں:۔

''قبر کے سرہانے کوئی کتبہ نہیں لگایا گیا مزار کی حالت بھی مخدوش ہے۔ مقبرے کا صحن اور فرش گرد سے اَٹے پڑے ہیں۔ مزار کے اردگرد لوگوں نے ناجائز تجاوزات کر کے مکان تعمیر کر لیے ہیں۔ وہ رفع حاجت کے لیے مزار کی سیڑھیاں استعمال کرتے ہیں۔ اناللہ۔۔۔۔۔''۔

یُوں تو بعض لوگوں نے ہمیں اگرچہ قبر پرست مشہور کر رکھا ہے اور سچی بات یہ کہ

جن قبور سے ہمارا معاش وابستہ ہو ان کی خوب دیکھ بھال کرتے ہیں اور اپنے اپنے بزرگوں کی کرامات صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے اور بیان کرنے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے ،لیکن صفِ اول کے مشاہیر کے لیے ہمارے ہاتھ شل ہیں اور ان پر کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے۔۔۔''پاکستان کی تاریخ میں علماءِ حق کے کردار کو جو ہاتھ اُجاگر کرسکتا تھا وہ سُن ہوگیا۔''

خدا کا شکر ہے کہ قیامِ پاکستان سے باون (۵۲) سال بعد حکومتِ پاکستان نے ۱۴۔اگست ۱۹۹۹ء کے موقع پر حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۸ء۔۱۹۷۰ء) کی تحریکِ قیامِ پاکستان میں خدمات کے اعتراف کے طور پر یادگاری ٹکٹ جاری کیا ہے۔

ہمسایہ ملک کے ایک حکیم مولانا محمد عبدالمتین نعمانی اپنے اور ہمارے مرض کی نشاندہی کرتی ہوئے لکھتے ہیں کہ

> ''بدقسمتی سے ہمارے مذہبی حلقوں میں علمی تحقیقی کاموں پر پیسے صرف کرنے کا رواج نہیں ہے۔اور نہ ہی اس کے باعث ثواب ہونے پر اس درجہ کا یقین جس درجہ کا یقین فاتحہ کی دیگیں پکوانے اور اسٹیج سجانے پر ہے۔۔۔افسوس۔۔۔ان اہل علم حضرات پر''۔۔۔(۱)

ان ہی حالات کے پیش نظر حکیم صاحب ان مظلوم علمائے حق جن کے نام تاریخ سے مٹائے جارہے ہیں اور ذہنوں سے محو کیے جارہے ہیں اور جن کے مٹانے میں ہم نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی ان کے لیے مضطرب (۲) رہتے ،وہ سمجھتے تھے کہ ان اہلِ حق کے افکار و کردار

(۱) مضمون ''تصحیح کنزالایمان۔وقت کی اہم ضرورت'' مشمولہ مجلّہ پیغام رضا، بہار (امام احمد رضا نمبر) شمارہ ۵۔مطبوعہ بھارت ۱۹۹۷ء، ص ۹۳ ۴

(۲) ''مجھے بخوبی یاد ہے کہ حکیم صاحب کی مجالس میں جب کبھی تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کی جدوجہد کا تذکرہ اس تناظر میں موضوع بحث بنتا، وہ اکثر مغموم ہوجایا کرتے اور انھیں اپنوں کی غفلت، بے بسی، تساہل پسندی پر بہت دکھ ہوتا۔ایک ٹیس ان کے دل میں اٹھتی اور ایک ایسا درد ان کے چہرے سے عیاں ہوتا کہ جسے کوئی دوسرا نہیں، بلکہ وہ خود ہی محسوس کرسکتے تھے۔'' (ایم۔ ایس ناز، ڈاکٹر: ''تقریظ''۔''حکیم اہلسنت اور تحریک پاکستان'' از جلال الدین ڈیروی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۸)

سے نئی نسل کو روشناس کرانا چاہیے کیونکہ پاکستان میں شائع ہونے والی کتابیں ایک طرف تو علماءِ حق کے احوال سے خالی ہیں اور دوسری طرف ہمارے جمود و سکوت بلکہ مجرمانہ غفلت نے اور گہرے سائے کردیے ہیں۔یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ وہ علماءِ حق جو ملت کی آبرو تھے ___ جو ملت کی آبرو ہیں ___ اور جو ملت کی آبرو رہیں گے، کے تذکار سے آج بھی روح کو بالیدگی اور جلا ملتی ہے، یہاں ایک واقعہ کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جسے تحریک پاکستان کی ایک مشہور کارکن نورالصباح بیگم نے اپنی کتاب ''پاکستان کی مشہور شخصیتیں میری نظر میں'' مطبوعہ لاہور (جو ان کے چشم دید واقعات پر مشتمل ہے) میں ایک نکاح کی منعقدہ تقریب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے جس میں مرحوم چودھری خلیق الزماں وغیرہ مسلم لیگی اکابر شریک تھے۔واقعہ یوں ہے کہ مصر کے ایک محمد رمضان نامی راہنما کراچی میں ایک اسلامی اجتماع (شعوب الاسلامیہ) میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے، ان کی شادی کی تاریخ مقرر ہوچکی تھی اس لیے وہ اپنی ہونے والی بیوی فاطمہ کو ہمراہ لے آئے۔ آگے چل کر نورالصباح بیگم لکھتی ہیں ___

> ''پیر علی محمد راشدی نے ہوٹل میٹروپول میں اس شادی کا انتظام کیا اور معززینِ شہر اور ان کی بیگمات کو مدعو کیا۔دلہن کو تیار کرکے لانا ہمارے سپرد تھا۔وہ مصری دلہنوں کے سفید لباس میں جو بالکل یورپین دلہن جیسا تھا سر پر رومال لگا کر تیار ہوئی اور بہت پیاری لگ رہی تھی ہم نے لاکر اس کو محفل میں دولہا کے قریب صوفے پر بٹھادیا۔اتنے میں نکاح پڑھانے مولانا عبدالحامد بدایونی تشریف لائے۔اور جیسے ہی ان کی نظر محفل میں بیٹھی بے شمار خواتین پر پڑی اور دلہن کو انھوں نے دیکھا جو کھلے منہ دولہا کے پاس بیٹھی تھی۔ لاحول پڑھتے ہوئے واپس چلے گئے بہتیرا ان کو راشدی صاحب نے سمجھایا کہ یہ تو مصری لڑکی ہے مگر انھوں نے کہا میں ایسا نکاح نہیں پڑھا سکتا جہاں تمام عورتیں اور دلہن بے پردہ ہو۔''

آج ذرا آپ اپنے گردوپیش پر نظر دوڑائیے اور پھر مذکورہ بالا ماحول میں جائزہ لیجیے!___ مولانا خادم حسین رضوی فرماتے ہیں کہ ہم میں کتنے علما ایسے ہوں گے جو نکاح پڑھائے بغیر اُٹھ کر واپس آجائیں!!!___ ایسے سیکڑوں حق گو، حق پرست اور حق شناس علما کی مثالیں حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے ذہن میں نقش تھیں اور ان علما کو بھی قریب سے دیکھا تھا اور سنا بھی اور سب سے بڑھ کر یہ وہ خود بھی اسی راہ پر گامزن تھے کہ آج کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں حکیم صاحب کی ذاتِ گرامی ایسا روشن چراغ تھی جس کی روشنی کبھی ماند نہ ہوگی بلکہ جوں جوں وقت گزرے گا یہ روشنی بڑھتی ہی جائے گی۔ اگرچہ دین کے راہزنوں نے حکیم صاحب کا قافلہ راہ میں لوٹ کر کوئی اچھی مثال قائم نہ کی۔ راقم الحروف سمجھتا ہے کہ مرکزی مجلسِ رضا پر بظاہر جو تباہی آئی وہ نہ صرف مجلس کا ذاتی زیاں ہے بلکہ وہ پوری اہلسنت وجماعت کا نقصان ہوا___ اور ملّتِ اسلامیہ کا!!!___

حکیم صاحب اتحاد بین المسلمین کے داعی تھے کیونکہ امام احمد رضا مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع دیکھنا چاہتے تھے اور یہی پیغام مجلسِ رضا احسن طریقہ سے سرانجام دے رہی تھی۔ حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے ایک دیرینہ رفیق برادر محترم پروفیسر محمد اقبال مجددی زید مجدہٗ نے احقر کی توجہ اس جانب مبذول کروائی ہے کہ حکیم صاحب سے دیرینہ رفاقت اور بالخصوص مجلسِ رضا سے وابستگی کی بنا پر راقم الحروف مجلس کی مذکورہ تباہی کے پس منظر میں ان عناصر کی نشاندہی کرے جو اہلسنت و جماعت کے ایک فقید المثال اور دوررس نتائج کے حامل ادارہ مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے زوال کا سبب بنے!!!۔۔۔(یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس ادارہ نے آناً فاناً حق وصداقت کے جھنڈے گاڑ دیے اور مردہ و بے حس قوم کی رگوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی) یہ تاریخ کا بنیادی اصول ہے جس کی یہاں وضاحت ضروری ہے کہ جب کوئی قلمکار یا ایک تجزیہ نگار اگر کسی بادشاہت یا سلطنت یا پھر کسی عظیم تحریک کے زوال کے اسباب پر اظہارِ خیال کرتا ہے تو وہ تاریخ کے طالب علم کو ان تمام

وجوہ سے بتدریج آگاہ کرتا چلا جاتا ہے تاکہ اس کے زوال کے فوری اسباب بیان کرکے بحث کو سمیٹ سکے۔ چنانچہ ذیل میں مجلسِ رضا کے قیام سے لے کر اس کے زوال تک کا زمانہ جو اب ہماری ملی و مذہبی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے، پر ایک طائرانہ لیکن ناقدانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔

۱۹۶۸ء میں جب مرکزی مجلس رضا کا قیام عمل میں آیا تو اس سے چند سال پہلے[(۱)] اس وقت کے اخبار چٹان کے بانی اور مدیر آغا عبدالکریم شورش کاشمیری (۱۹۱۷ء۔۱۹۷۵ء) جو فکر امام احمد رضا پر حملہ آور ہوئے تھے اس بارے میں حکیم صاحب بخوبی آگاہ تھے۔ اندریں حالات ایسے فتنوں اور شورشوں کی سرکوبی کے لیے مرکزی مجلس رضا جیسے موثر ادارہ کا قیام اور بھی ضروری ہوگیا تھا۔

۱۹۷۰ء میں جمعیت علماءِ پاکستان نے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کے ایک لیڈر مولانا عبدالحمید خان بھاشانی (۱۸۷۹ء۔۱۹۷۶ء) کے غلط نظریات جو اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف تھے، کے ازالے کے لیے دارالسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ۱۴۔۱۳ر جون کو دوروزہ آل پاکستان سنی کانفرنس کا انعقاد کردیا۔[(۲)] یہاں یہ بات یاد رہے کہ سنی کانفرنس سے چندروز قبل مولانا بھاشانی نے ٹوبہ ٹیک سنگھ ہی میں ایک آل پاکستان کسان کانفرنس کا انعقاد

(۱) ''ملک کے مشہور شاعر، صحافی اور ادیب شورش کاشمیری صاحب نے ہفتہ وار چٹان لاہور میں مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کو بدنام کرنے کے لیے اکابر اہلسنت پر بہتان تراشیوں اور دروغ بافیوں کا سلسلہ شروع کردیا تھا''۔۔۔۔''ان دنوں احقر (یعنی حکیم موسیٰ صاحب) نے بھی ایک مضمون لکھا تھا جو قلمی نام سے ''سواداعظم'' میں طبع ہوا تھا'' (محمد موسیٰ امرتسری، حکیم۔ بعنوان ''اظہار حقیقت'' مطبوعہ ماہنامہ کنزالایمان، لاہور، جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۱۷ حاشیہ ص ۱۷)

(۲) ''۱۹۷۰ء میں جب سرخ استعمار کی شہ پر کمیونسٹوں نے اودھم مچایا اور ''ایشیا سرخ ہے ایشیا سرخ ہے'' کے نعرے لگانے شروع کیے تو ۱۹۷۰ء میں دارالسلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے اندر ایک آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد کرکے اشتراکی فتنہ کی تہ بہ تہ سازشوں کو بے نقاب کرکے انھیں فنا کے

کیا تھا جس میں کمیونسٹ نظام کو ملک میں نافذ کرنے کا عہد کیا اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کا نام لینن گراڈ رکھنے کا مطالبہ کیا گیا۔ علمائے اہل سنت نے جہاں ایسے لایعنی نعروں کا موثر جواب دیا اور پاکستان بنانے کے مقاصد واضح کیے وہیں پاکستان سنی کانفرنس کے اختتام پر جمعیت کی قیادت نے الیکشن میں براہ راست حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان کیا تھا کہ ملک بھر میں سنی کانفرنسوں کا جال بچھ گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے بعد جمعیت نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کی اور باید وشاید، پھر خوش قسمتی سے اس وقت کی قیادت نے اسمبلی کے اندر اور باہر ایسا شاندار رول ادا کیا جس کی گونج آج بھی اسمبلی کے ایوانوں میں سنی جا سکتی ہے۔ اس حق گوئی کی بنا پر اہل سنت کا سر فخر سے بلند تھا اور وہ ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہو رہے تھے حتیٰ کہ اہل سنت کے شدید مخالف بھی حیران و ششدر رہ گئے کہ ایک خالص مذہبی جماعت لے اب سیاسی قوت بھی حاصل کر لی، جو کسی گروہ یا جماعت کی زندگی کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ مسلم لیگی عناصر جو مولانا محمد عبدالستار خان صاحب نیازی کے بقول ''مجرم لیگی'' تھے اس صورت حال سے پریشان دکھائی دیتے تھے کیونکہ قائد اہلسنت کی حق گوئی و بے باکی سے ان کے مفادات پر زد پڑتی تھی چونکہ مذکورہ قائد اس زمانہ میں جمعیت العلما کے پلیٹ فارم سے حقیقت کے ترجمان شاعر کی عملی تفسیر اس طرح پیش کر رہے تھے۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

گھاٹ اتارا۔ اس سال جمعیت علماء پاکستان کو وسیع پیمانہ پر منظم کیا گیا۔ شیخ الاسلام حافظ خواجہ محمد قمرالدین سیالوی اس کے صدر اور علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نائب صدر منتخب ہوئے اور مولانا سید محمود احمد رضوی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ اسی سال عمومی انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان نے حصہ لیا اور آٹھ سیٹیں حاصل کر لیں۔ جمعیت علماء پاکستان نے تھوڑے عرصہ میں اتنی اہمیت حاصل کر لی کہ وزارت عظمیٰ کے انتخاب میں متحدہ جمہوری محاذ نے علامہ شاہ احمد نورانی کو اپنا متفقہ امیدوار نامزد کیا''۔ (علی اکبر منصور، پروفیسر۔ ''پاکستان کی دینی سیاسی جماعتیں'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء، ص ۶۶ اور ۶۷)

لیکن کچھ علماء سنبھل [۱] اور بعض علماء ہزارہ ایسے سازشی عناصر اپنے تئیں مذکور بالا ''جدید ماحول'' میں مجرم لیگ سے بھی زیادہ پریشان، اپنے تاریک مستقبل کی بابت فکر مند دکھائی دیتے اور مل کر بھی سنبھلنے نہ پا رہے تھے کیونکہ علماء محروم اور مجرم لیگیوں (آج کل محروم لیگ) کے مابین ایک قدر مشترک تھی اور وہ ''مال بنانا، دین فطرت سے محبت کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے اہالیانِ پاکستان کی بدقسمتی کہ مذکور عناصر بزعم خویش رازدارانِ دین بن گئے اور انھوں نے مفتیانِ پاکستان کا لبادہ اوڑھ کر تحریکِ پاکستان کے ان مقاصد کو فراموش کر دیا، جن کا احیا مبلغ اعظم حضرت ابوالحامد سید محمد محدث چشتی، اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبہ آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس [۲] (۱۹۴۶ء) میں کیا تھا کہ

> ''یہی حقیقت بھی ہے۔ مسلم لیگ کا پروگرام عارضی ہے جو صرف پاکستان پر ختم ہو جاتا ہے اور آل انڈیا سنی کانفرنس کا پروگرام دوامی ہے، پاکستان کی تعمیر کا'' [۳]۔۔۔

پھر چلتے چلتے ۱۹۷۸ء کا دور آیا جنرل ضیاء الحق کے ابتدائی ایام تھے۔ اسی سال اکتوبر ۱۹۷۸ء میں ملتان میں آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کانفرنس نے ضیاء الحق سمیت پورے پاکستان کی آنکھیں کھول دیں۔ حکیم صاحب بھی بنفس نفیس اس کانفرنس میں شریک تھے اور اسی پلیٹ فارم سے ''پاکستان سنی رائٹرز گلڈ'' کے قیام کا اعلان کیا گیا جس کے پیچھے بانیِ مرکزی مجلس رضا کی فکر کارفرما تھی۔ حکیم صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

(۱) سنبھل۔ ضلع مراد آباد، بھارت کے ایک مشہور قصبہ کا نام

(۲) صوبجات متحدہ کا مشہور شہر، جو ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے۔ متحدہ ہندوستان کے نقشہ پر بنارس اس کا سنٹر واقع ہوا ہے۔ ہر طرف سے آنے والوں کے لیے برابر فاصلہ پڑتا ہے اسی لیے مذکورہ بالا کانفرنس کے لیے اس شہر کا انتخاب کیا گیا۔

(۳) دیکھیے: خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ مراد آباد ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء، اشاعت اول، ص ۲۳۔ ۲۴

انھوں نے تحریک پاکستان کے عظیم اور بزرگ راہنما خطیب مولانا محمد بخش مسلمؔ (۱۸۸۷ء۔۱۹۸۷ء) سے یہ استفسار کیا کہ باباجی! آپ نے تحریک پاکستان کے دوران میں بے شمار کانفرنسوں کو دیکھا اور ان سے خطاب بھی فرمایا، کئی کانفرنسوں کا انعقاد بھی کیا___ آیا آج تک برعظیم پاک وہند میں مذکور ایسی کانفرنس منعقد ہوئی تو مرحوم مولانا مسلم صاحب کا جواب نفی میں تھا۔ پھر ازاں بعد رائے ونڈ میں ''نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس'' کا انعقاد کل پاکستان سطح پر ہوا۔ بس پھر کیا تھا کہ اہل سنت کے شیرازہ کو بکھیرنے کے لیے چہار سو سازشیں شروع ہو گئیں!!!___ بدقسمتی سے ضیاء الحق نے بعض مولویوں اور پیروں کی خدمات حاصل کیں اور جب علماء سوکو___ ''علمائے کرام اور مشائخ عظام کو قومی زندگی میں ان کے شایانِ شان عزت واحترام کا مقام دینے''[1] ___ کے نام پر اور اس مکروہ آڑ میں، استعمال کرنا شروع کیا تو صدر جنرل ضیاء الحق (۱۶۔ستمبر ۱۹۷۸ء تا ۱۷۔اگست ۱۹۸۸ء) کے کچھ سیاسی وزیر ومشیر جو کہ کچھ عرصہ پہلے طالب علم راہنما رہ چکے تھے، انھوں نے پہلا وار اہلسنت وجماعت کی سیاسی قوت منتشر کرنے کے لیے ایک اہم کردار ادا کیا کہ مذکورہ آلۂ کار جمعیت کے لیے فی الواقع آلۂ مہلک ثابت ہوئے جس پر آنے والا مورّخ لکھے گا!

''بات میری نہیں، بات ہے زمانہ کی'' ___ کوئی قلمکار اگر اس پر کھل کر اظہار خیال کریں تو بات شاید بن جائے گی۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد قمطراز ہیں کہ ___ ''انھیں[2] سبز باغ دکھا کر راستہ سے ہٹایا گیا''۔۔۔ چنانچہ بعض شہروں اور قصبات تک

(۱) ہفت روزہ ''حرمت'' اسلام آباد۔۱۷ تا ۲۳۔اگست ۱۹۹۱ء۔کالم ۳،ص ۲۳ بعنوان ''شہید صدر ضیاء الحق'' از ابن قادر مصطفےٰ

(۲) مسعود احمد، پروفیسر محمد: تقدیم ''بات میری نہیں! بات ہے زمانے کی'' (از ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری)، مطبوعہ ۱۹۹۵ء۔ص ۳
آئینہ رضویات (حصہ سوم) مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ۱۹۹۷ء۔ص ۲۸۵

میں یہ وزیر کہیں لائبریری کے نام پر سرکاری رقم بانٹنے اور کہیں پلاٹوں کی لالچ دینے لگے اور کسی چھوٹے کارکن کو گیس کی ایجنسی اور کسی سجادہ نشین کو پٹرول پمپ کی ایجنسی الاٹ کروا کر توڑا گیا اور یوں ''جماعت'' کا شیرازہ منتشر ہوتا ہی چلا گیا۔ بدقسمتی سے ان لوگوں نے مجلس کے ایک آدھ کارکن سے بہ مصداق[1] اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ راہ ورسم بڑھانے شروع کر دیے اور یوں مجلس میں دانستہ یا نادانستہ نقب زنی میں ایک حد تک کامیاب رہے۔ مجلس کے زیر اہتمام انعقاد پذیر آخری سالانہ جلسہ، عرس امام احمد رضا (یوم رضا) منعقدہ ۲۸۔اکتوبر ۱۹۸۶ء میں خطاب کرنے والے ایک مقرر شہیر جو اس سے پہلے آٹھ سال تک مجلس کے سالانہ اجلاسوں برائے یوم رضا سے خطاب کر چکے تھے، ایک اَن پڑھ مفتی جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا، نے ضیا مشن پر مامور ایک وزیر کی اشیر باد حاصل کرنے کی خاطر امام احمد رضا کا نام لے کر خطیب آف[2] اتراء (۱۹۴۰ء۔۱۹۹۲ء) کی ڈاڑھی ناپنا شروع کر دی، سامعین کے لیے یہ بات کسی لطیفہ سے کم نہ تھی کیونکہ مذکورہ خطیب شہیر سالہا سال اپنے اسی چہرہ کے ساتھ مجلس کے جلسوں سے خطاب فرما چکے تھے۔ اس طرح مجلس کے اٹھارہویں سالانہ اور آخری یوم رضا پر مرکزی مجلس رضا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یوں انتشار وافتراق کی طرح ڈالی گئی۔ دھیان رہے کہ مسلک کے نام پر ڈاڑھی کی پیائش کرنے والے تنگ نظر کٹھ ملا المعروف حاجی صاحب جون/ جولائی ۱۹۸۶ء میں مجلس رضا کے حساب میں خیانت کے مرتکب پائے گئے جو مجلس رضا کے رد بہ زوال ہونے کا فوری سبب بنا۔ مزید برآں ستم یہ کہ مجلس رضا کے اس وقت کے صدر محترم میاں زبیر احمد قادری ضیائی (اور ادھر حاجی صاحب بھی قادری ضیائی ہیں) جو مجلس رضا کے بنک اکاؤنٹ کے جائنٹ سگنیٹری (Joint Signatory) بھی تھے، نے خازن مذکور سے کوئی باز

(۱) ؎ کند ہم جنس باہم جنس پرواز   کبوتر با کبوتر باز با باز

(۲) ملک محمد اکبر خان ساقی مرحوم (متوفی: ۱۹۹۲ء)

میاں زبیر احمد قادری ضیائی

''منہاس راجپوت'' مولف محبوب عالم منہاس، مطبوعہ شہزاد پبلی کیشنز فیصل آباد (۲۰۲۰ء)
کی تالیف سے میاں زبیر احمد قادری ضیائی کا خاندانی پس منظر ملاحظہ فرمائیں۔

''حضور داتا گنج بخشؒ کے دست مبارک پر جو پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا وہ عام ہندو نہ تھا بلکہ لاہور کی غیر مسلم راجدھانی کا ایک نہایت اہم کلیدی عہدیدار تھا جو راج پاٹ اور گھر بار چھوڑ کر جوگی کا روپ دھار چکا تھا اس کا نام رائے راجو تھا۔ حضرت اقدس کی نظر عنایت سے جب یہ مسلمان ہوا تو اس کا نام شیخ ہندی رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کے چیلے بھی جوق در جوق داخل اسلام ہوئے۔

شیخ ہندی نے بعمر اسی سال شادی کی اور ایک سو دس سال عمر پائی۔ ان کے ہاں ایک ہی بیٹا شیخ لطفیؒ تولد ہوا۔ میرے بزرگ دوست جناب میاں محمد زبیر مہتمم دارالفیض گنج بخش لاہور (جو دینی کتابوں کا اشاعتی ادارہ ہے) جناب شیخ لطفیؒ ہی کی اولاد سے ہیں''۔ (بحوالہ صفحہ نمبر ۲۳)

پرس نہ کی حالانکہ صدر، مجلس کے متفقہ دستور میں دیے گئے اپنے اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے بدعنوانی کے مرتکب مجلس کے کسی بھی عہدیدار کو برطرف کر سکتا تھا۔ نیز مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور کے متفقہ دستور (منظور شدہ ۲۳۔ مارچ ۱۹۸۴ء) کے مطابق صدر مجلس اپنے فرائض میں شامل دفعہ ۷ شق (ز) کے تحت ''خازن کے حسابات آمد و خرچ کی نگرانی کرے گا اور رجسٹر حسابات پر توثیقی دستخط کرے گا''[1] ___ اس معاملہ میں چونکہ صدر موصوف خود مجرمانہ غفلت کا شکار تھے، لہٰذا انھوں نے مکمل سکوت کی راہ اختیار کر لی کیونکہ صدر ممدوح جو حاجی صاحب کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بھی تھے، نے مجلس کے حساب رکھنے کی کبھی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ اس طرح مجلس کے خزانچی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور وہ کامگار ٹھہرے!! ___ اور یہ بنیادی خرابی اور صدر مجلس کی از حد سادہ لوحی و سادہ دلی پوری مجلس کو لے ڈوبی کیونکہ صدرِ مجلس ایک تو ''دوستوں'' کے حساب کتاب سے عاری اور دوسرے مندرجہ ذیل فلسفہ اور حقیقت سے بے خبر و ناآشنا تھے ___ اور بقول معروف دانشور محترم راجا شید محمود:

> ''چندے لینے والے اداروں اور اشخاص کا محاسبہ ہوتا رہے تو بہتر ہے ورنہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عوام کے اخلاص و ایثار سے جمع ہونے والی رقم کسی ایسے مقصد کے لیے استعمال ہو جاتی ہے جو قوم کے حق میں اچھا نہیں ہوتا یا کوئی ایک آدھ آدمی وہ رقم ہضم کر جاتا ہے''۔[2]

بہرکیف ڈاڑھی ناپنے کا مذکور ہنگامہ جو مجلس رضا کے خازن موصوف (حاجی صاحب) نے مجلس کے سابق صدر کی عاقبت نااندیشی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کی مدد و تائید سے ترتیب دیا تھا اس وقت مجلس کے بدخواہ خوش ہو رہے تھے، تاہم اس دوران میں جلسہ میں پیدا شدہ بدمزگی کو ختم کرنے کے لیے کسی من چلے نے متذکرہ ہنگامہ یہ کہہ کر ختم

(۱) ملاحظہ ہو۔ ''دستور مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور'' مطبوعہ مارچ ۱۹۸۴ء، ص ۸

(۲) دیکھیے: ''تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء'' مطبوعہ مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۴۰۵

کیا کہ اس وقت مجلس رضا کا صدر [1] بھی تو آخر ڈاڑھی منڈا ہے۔ خیال رہے کہ مجلس رضا کا یہ آخری جلسہ یوم رضا تھا مجلس کا قافلہ جب تک مختصر رہا یہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہا، لیکن جونہی اس میں بعض مولویوں، مفتیوں، مفتریوں اور بعض خود ساختہ سجادگان بقلم خود بمصداق:

ع ___ بے علم نتواں خدا را شناخت

اور چند بالشتیوں کا عمل دخل بڑھا، مجلس اپنے عروج کی منزلیں طے کرتی روبہ زوال ہوگئی۔ اس پر طرہ یہ کہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد علماءِ کرام، حکیم صاحب جو فکرِ رضا کے امین اور علمبردار تھے، کا ساتھ چھوڑ کر حاجی صاحب کے کیمپ میں چلے گئے چونکہ حکیم صاحب کی موجودگی میں ان مولویوں کو اپنا قد اور کاٹھ بونا نظر آتا تھا، لیکن اب صورت حال یکسر بدل چکی تھی کیونکہ حکیم صاحب کے ممدوح علما کو حاجی صاحب کے سنگِ آستاں پر وہ مرتبہ ومقام مل گیا جس کے وہ خواہش مند تھے۔ حکیم صاحب خود بھی فرمایا کرتے کہ ہمارا آج کا مولوی بغیر کریڈٹ (Credit) کے کوئی کام سرانجام نہیں دیتا، ہماری مجلس کامیابی کی راہ پر اس لیے گامزن ہے کہ اس میں کسی مولوی کا عمل دخل نہیں ___ بدقسمتی سے مجلس کا المیہ بھی کچھ ایسے حالات پر منتج ہوا کہ حکیم صاحب نے بعض مولویوں پر اعتماد کرنا شروع کر دیا اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ اس وقت کے مجلس کے صدر نے اپنی دستوری ذمہ داریوں کو ہرگز پورا نہ کیا اور پھر مذکورہ ٹریجڈی (حادثہ مرکزی مجلس رضا جس نے تمام اہلسنت و جماعت کو سوگوار کر دیا) میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا؟ چنانچہ ایک بعد میں آنے والے مرحوم صدر مرکزی مجلس رضا حکیم محمد عارف قادری (متوفی: ١٩٩٩ء) جو ١٩٨٦ء کے آخری ایام میں بطور صدر مجلس میں آئے وہ اپنے مکتوب مورخہ ٣١۔ دسمبر ١٩٨٦ء کو مرکزی مجلس رضا لاہور کے جنرل سیکرٹری محمد نواز بٹ کے نام لکھتے ہیں۔

(١) میاں زبیر احمد قادری ضیائی، صدر مرکزی مجلس رضا، لاہور

''مَیں تقریباً تین سال قبل مجلس رضا لاہور کو ایک دینی، اشاعتی، تبلیغی غیر سیاسی اور دستوری ادارہ سمجھ کر اس میں شامل ہوا۔ مَیں اس ادارہ کو ایک عظیم ادارہ سمجھتا تھا۔۔۔آج سے چند یوم قبل جب اس عظیم ادارہ کو قریب سے دیکھا تو اسے سیاسی اور غیر دستوری پایا۔ مجلس کا ہر شعبہ گزشتہ دو سال سے غیر دستوری طور پر چل رہا ہے۔ اس عرصہ کی کارروائیوں کو تحریر کیا جائے تو ایک نئی کتاب ''اجالے سے اندھیرے تک'' شائع کی جا سکتی ہے [1] ۔۔۔ان حالات میں مَیں (یعنی حکیم محمد عارف قادری) مرکزی مجلس رضا لاہور کی صدارت (صدر کے عہدہ) سے مستعفی ہوتا ہوں۔۔۔''

مندرجہ بالا اقتباس میں بعد آنے والے مرکزی مجلس رضا کے پنجم اور آخری صدر مرحوم محمد عارف قادری جو صرف ایک آدھ ماہ مجلس کے صدر رہے، نے مرکزی مجلس رضا کی گزشتہ چند سالہ سابقہ کارروائی کو مجلس کے دستور کے مطابق نہ چلائے جانے کی جانب جو اشارہ کیا اس میں دو رائے نہیں ہو سکتیں ___ بہر حال سابق چہارم صدر مجلس میاں زبیر احمد قادری ضیائی کے پر اسرار کردار اور مجلس رضا کے مفادات کے خلاف مجلس کے کاز کو نقصان پہنچانے کا تفصیلی جائزہ ''دستور مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور'' (١٩٨٤ء) (جس کی طرف حکیم عارف قادری نے اشارہ فرمایا) کی روشنی میں لینا چاہیے اور یہ بے لاگ جائزہ حکیم صاحب کی حیات مبارکہ پر ترتیب دی جانے والی کتاب ''ارمغان عقیدت'' اور مستقبل میں حکیم اہلسنت مرحوم پر آنے والی دیگر کتب اور مرکزی مجلس رضا کی تاریخ میں محفوظ کیا جانا چاہیے تا کہ متعلقہ کوئی گوشہ وا ہونے سے رہ نہ جائے اور ایک عمیق نظر

(١) حکیم عارف قادری مرحوم نے یہاں بڑے لطیف پیرایہ میں طنز کیا ہے کیوں کہ مجلس رضا کی ایک شائع شدہ کتاب طبع ١٩٨٥ء، جو علامہ احسان الٰہی ظہیر کی کتاب البریلویۃ (١٩٨٤ء) کے رد میں لکھی گئی تھی کا عنوان ''اندھیرے سے اُجالے تک'' تھا۔ (ظہور الدین)

سے مطالعہ کرنے والا کوئی تشنگی محسوس نہ کرنے پائے۔ چونکہ مجلس رضا اور اس کے بانی اور سرپرست کو الگ الگ خانوں میں بانٹا نہیں جا سکتا ___ اور اسی طرح حکیم صاحب کے معتمد حضرات گرامی کو نظر انداز کرنا بھی ایک غیر موثر خانہ کوشش ہی کہلائے گی! ___

''حکیم صاحب کی یاد میں امکانی حد تک ان کے شایان شان ارمغان عقیدت کتاب کی صورت میں پیش کرنے کے لیے پاکستان بھر میں لکھنے والوں کو جو دعوت شرکت دی گئی، اس چٹھی پر ۵۵۔ ریلوے روڈ لاہور کا پتہ درج ہے۔'' لیکن انقلابات ہیں زمانہ کے کہ حکیم صاحب جس ماہنامہ ''مہر و ماہ'' کے مدیر مسئول رہے۔ اب چٹھی جاری کرنے والوں نے ''مہر و ماہ'' سے نصف صدی پر محیط حکیم صاحب مرحوم و مغفور کا رشتہ اخلاص و مودت ان کے وصال کے بعد فوری ختم کر دیا ہے!! ___ انا للہ وانا الیہ راجعون ___

دوسرے حکیم صاحب مرحوم کے ''معتمد علما'' کے حوالہ سے یہ بڑے دکھ کی بات ہے اور کچھ توجہ طلب بھی کہ چند علماء کرام مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا عبدالحکیم شرف اور محمد منشا تابش قصوری ہنوز مجلس رضا کے پہلے اور آخری روکڑ یا اور تحویل دار حاجی صاحب مدظلہ کے ساتھ نباہ کر کے ادھر حق نمک ادا کر رہے ہیں اور ادھر حکیم صاحب (اعلی اللہ مقامہ) بمصداق ___ ع

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم

اب بھی راہنمائی فرما کر ''سوگوران'' سمیت جملہ عناصر سے خبر دار کر کے ان کی نشاندہی فرما رہے ہیں ___ واضح رہے کہ ''ارمغان عقیدت'' کے مضامین کی Collection (بمعنی جمع، فراہمی، بٹورہ، جوڑا، اگاہی، چندہ اور اگرائی، وصولی، ذخیرہ، بھنڈار) کے لیے ''سوگواران برادران'' (بالفاظ دیگر ماتمی گروپ) کی جانب سے کیے جانے والے دعوت نامہ میں گرچہ ''سوگوران'' کا لفظ ہی مستعمل ہوا ہے! ___ لیکن ''چراغ تلے اندھیرا'' کے مصداق ''ارمغان عقیدت'' کے ارادت مند مرتبین کے لیے ایسی ترکیب کوئی نہیں کیونکہ

عقیدت مندی کے ''ایرے پھیرے'' میں کسی قسم کے الفاظ پر کوئی قدغن لگائی ہی نہیں جا سکتی البتہ خدشہ ہے کہ سوگواران کی جانب سے (لغت میں سوگوار کے معنی: سوگی، ماتمی، سوگوار، ماتم دار، رنجور، غمزدہ اور ماتم کرنے والا ہیں۔ تاہم شرع شریف میں تین روز سے زیادہ سوگ منانے کی ممانعت ہے، ایسی بدعات سیہ کی جانب امام احمد رضا نے اپنے اکثر فتاوٰی میں اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے!) کوئی عزادارانہ یا حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے مشن کے ہی خلاف استقبال میں کہیں تعزیہ داری کا کوئی مستقل سلسلہ نہ چل نکلے (جس کے مٹانے کے لیے تادم آخر حکیم صاحب جدوجہد کرتے رہے) ___ اور سوگواران، حکیم صاحب علیہ الرحمہ کی فکر کو فروغ دینے کی بجائے کہیں مجاورانہ رخ اختیار نہ کر لیں جس کا غالب اندیشہ ہے ___؟؟ ___ ''مرکزی مجلس رضا۔ ماضی، حال اور مستقبل'' ___ زیر نظر عنوان میں چونکہ ''استقبال'' کا بھی ذکر تھا سو ضمناً چند ضرور باتیں آ گئیں تاکہ مستقبل میں ایسی خرابیوں سے بچا جا سکے جو ایک اچھے بھلے معاشرہ کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں اور اس طرح اصل منزل نظروں سے اوجھل ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ منزل جس پر حکیم صاحب مرحوم گامزن رہے؟ ___ اور جس کے حصول کے لیے انھوں نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں۔

بات زرا دور نکل گئی ہے۔ بات ہو رہی تھی حکیم صاحب کے ممدوح و معتمد علماءِ کرام کے حوالہ سے جنھوں نے اپنا دست مبارک محسن ملت، محقق عصر حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دینے کے بجائے ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دیا جس نے ''ممدوح علما'' کے کردار کو نہ صرف مشکوک اور مجلس رضا کے زوال پزیر ہونے کے بارہ سال بعد ''پراسرار'' بنا دیا اور انھیں کوئی راہ نہیں سجھائی دے رہی ___ تاریخ کا زخم بڑا گہرا ہوتا ہے، اس کے آہنی ہاتھ اور آہنی شکنجے سے بھلا آج تک کون بچا ہے؟؟؟ ___ بعض لوگوں نے مذکورہ زخم سے بچنے کے لیے اگر ''صداقت اللہ کے حوالہ'' کر کے اپنی سی

سعی کی ____ تاریخ کے کسی منفی کردار کو بذریعہ تاویل یا دروغ گوئی یا پھر حقائق و شواہد اور آیہ کریمہ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ سے دانستہ روگردانی کر کے اسے مثبت پہلو میں جگہ دینے ____ اور ''بزعم خویش'' جائز وجوہ پیش کرنے کی کوشش کی تو وہ ناکام ہی رہے، محترمی جناب منور علی چودھری روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور کی اشاعت مورخہ ۱۰۔فروری ۱۹۸۰ء میں یوں رقمطراز ہیں۔

''۔۔۔مگر مورّخ کا حقیقت پسند قلم جب تاریخ کے صفحات پر رواں ہوتا ہے تو ان کے لولے لنگڑے اور مفاد پرستانہ جوازات کو مسترد کر دیتا ہے اور تاریخ میں ان کی بے غیرتی اور غداری کی داستانیں ہی نمایاں طور پر رقم ہوتی ہیں۔ مورّخ یہ کم ہی لکھتا ہے کہ اپنی غداری اور بغاوت میں کوئی فتنہ گر کتنا سچا تھا۔ وہ تو بس قوم فروشی اور بے ضمیری کا لیبل ہر غدار کے ماتھے پر چپکا دیتا ہے، جسے خوف جرم سے رعشہ زدہ عذر جویانہ ہاتھ کبھی نہیں اتار سکتے''۔

محترم محمد عبدالستار طاہر صاحب مسعودی ''محسن اہلسنت'' (احوال و آثار علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری) جسے رضا دارالاشاعت لاہور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا، میں ''چند اہم ادارے'' کے باب میں مجلس رضا کی کاوشوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''فکری اور نظری اعتبار سے مرکزی مجلس رضا، لاہور اہلسنت و جماعت کا ایک معتبر مشنری ادارہ رہا۔۔۔ غالباً ۱۹۶۸ء میں اس کا قیام عمل میں آیا اور دسمبر ۱۹۸۶ء میں سقوط ہوا۔۔۔ سقوط کے وقت مجلس رضا کی مقبولیت بام عروج پر تھی۔۔۔۔

مرکزی مجلس رضا، لاہور نے اہلسنت و جماعت کو لٹریچر کی اہمیت کا شعور دیا۔ اس کی بھرپور کوشش سے ملک بھر میں بیداری کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ گویا ایک فکری انقلاب آ گیا۔۔۔ مرکزی مجلس رضا، لاہور اہلسنت کی تاریخ کا

ایک روشن باب ہے۔ اس کی تاریخ مرتب ہونی چاہیے۔۔۔ علامہ شرف صاحب کی مرکزی مجلس رضا سے دیرینہ وابستگی رہی۔۔۔ بلکہ یوں کہہ لیں ان کی شخصیت بھی اسی تاریخ کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔۔۔ آیئے ان کے حصہ کی بات ان ہی سے سنتے ہیں۔''

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور، مرکزی مجلس رضا میں اپنی علمی خدمات شمار کرانے کے بعد مجلس رضا کے سقوط (جس وقت مجلس اپنے نقطہ عروج پر تھی) میں مرکزی اور اہم کرداروں کا تذکرہ وہ بڑے ''پراسرار'' طریقہ سے کرتے ہیں، ''محسن اہلسنت'' سے ذیل میں ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

''سترہ اٹھارہ سال مرکزی مجلس رضا، لاہور کی مخلصانہ خدمات کے بعد جب جناب حاجی محمد مقبول احمد ضیائی قادری، مولانا محمد منشا تابش قصوری اور راقم الحروف (یعنی مولانا شرف) کو ۱۹۸۷ء میں مجلس سے پراسرار (؟) وجوہ کی بنا پر الگ کیا گیا۔۔۔''

ع: اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

شاید کسی ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہو!! ____ اب ایک دوسرے ''معتمد علیہ'' جناب تابش قصوری جہد مسلسل کے قائل، کتابوں کی کاٹ چھانٹ کے ماہر مجلس رضا کی کتابوں کے نام تبدیل کرنے اور حق تصنیف کسی دوسرے کو تفویض کرنے کے لیے ید طولیٰ رکھتے ہیں ____ ع مستند ہے ان کا فرمایا ہوا ____ دیکھیے! ''مرکزی مجلس رضا'' کے لیے روا رکھی گئی پُراسراریّت سے مولانا محمد تابش قصوری ۱۹۹۸ء میں کس صفائی سے عہدہ برآ ہوتے ہیں، ''محسن اہلسنت'' کے حواشی صفحہ ۱۲۴ بحوالہ ''نشان منزل'' درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔

''مجلس رضا، لاہور کے پلیٹ فارم پر بہت ہی عمدہ اور تاریخی کام کا آغاز ہوا۔

پھر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کا قیام عمل میں آیا۔ مجلس رضا، لاہور یگانوں اور بیگانوں (؟) کی نظر کا شکار ہوئی''۔

یہ بھی ایک تاریخی المیہ ہے کہ جب کسی قوم پر کسی وجہ سے ادبار آتا ہے تو وہ اس کی تاویل کے لیے مختلف بچ گھڑ لیتی ہے ___ لیکن

ع: کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے!!

مذکور بالا اقتباسات کی اصلی حقیقت کیا ہے ___؟؟ اسے جاننے پرکھنے اور سمجھنے کے لیے حکیم صاحب مرحوم و مغفور کے اُس خط کا مطالعہ ضروری ہے جو انھوں نے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے بانی مرحوم سید ریاست علی قادری (متوفی: ۱۹۹۲ء) کے نام ایک مراسلہ کے جواب میں مورخہ ۲۱۔ اپریل ۱۹۸۷ء کو لاہور سے تحریر فرمایا لیکن اس سے پہلے ''پاکستان ___ حصارِ اسلام'' مصنفہ پروفیسر محمد منور مرزا کی کتاب مطبوعہ لاہور ۱۹۹۸ء سے ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

''پراپیگنڈے میں بڑی طاقت ہے۔ انسانی ذہانت نے ابلیسی کمال کے ساتھ ساز باز کر کے بد دیانتی اور بے امانتی کے جن فنون میں بے پناہ ترقی حاصل کی ہے ان میں سے ایک فن پراپیگنڈہ ہے۔ پراپیگنڈے کا اصل مفہوم کچھ بھی ہو، آج اس کلمے کا مروج، بمعنی جھوٹ کی اشاعت ہے۔ جب ہم کسی خبر کو رد کرنا چاہیں تو کہتے ہیں چھوڑیے صاحب یہ محض پراپیگنڈہ ہے، لیکن وہی خبر جب مسلسل سنائی جاتی رہے تو آہستہ آہستہ اثر کرنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ خود سنانے والے کو یہ یاد نہیں رہتا کہ اس نے یہ خبر گھڑی تھی یا یہ کہ اس میں صداقت کی مقدار کے مقابل دروغ کا حصہ بہت زیادہ تھا۔۔۔ رفتہ رفتہ جب وہی پراپیگنڈہ کتابوں میں داخل ہو کر ''مصدقہ حوالہ'' بن جائے تو پھر صداقت اللہ کے حوالے۔''

آئندہ سطور میں قارئین کرام کی خدمت میں اس خط کا مکمل متن پیش کیا جا رہا ہے جو حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ نے مرکزی مجلس رضا سے اپنے لاتعلقی کے ٹھیک آٹھ ماہ چوبیس روز بعد سید ریاست علی قادری مرحوم کے نام تحریر فرمایا:۔

۷۸۶

محترم المقام جناب سید صاحب قبلہ! زید مجدکم

وعلیکم السلام ثم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف؟

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ یاد فرمائی کے لیے دلی شکریہ قبول فرمائیے۔

آپ نے مجھ فقیر پر تقصیر سے متعلق جن خیالات و جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ مَیں قطعاً ان کا مستحق نہیں۔ اس لیے کہ اگر واقعی فقیر سے کوئی خدمت انجام پزیر ہوئی ہوتی تو میرے معتمد علما مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا عبدالحکیم شرف اور مولانا محمد منشا تابش قصوری ایک خائن و بد دیانت اور خود ساختہ مولوی حاجی مقبول کے معاون و مددگار نہ بنتے اور سید شاہد علی نورانی صاحب بھی اس کے دست راست ثابت نہ ہوتے۔

حاجی کی بے پناہ بد دیانتیوں اور مجرمانہ خیانت نے مجھے مجلس سے دل برداشتہ کر دیا اور مذکورہ [۱] ''نیک نہادوں'' نے اس حریص و بد دیانت کی معاونت و وکالت

(۱) ''میں تین مولویوں کو علمائے حق سمجھ بیٹھا تھا اور ان تین کے علاوہ ایک مولوی کے رشتہ دار کو خادم دین جان لیا تھا۔ ان عبدالدینار والدراہم سے تعلق کی بنا پر مَیں نے بہت کچھ کھویا، مگر دور حاضر کے اکثر مولویوں کی حقیقت واضح ہو گئی ہے۔'' (محمد موسیٰ امرتسری، حکیم۔ مقالہ خصوصی ''اظہار حقیقت'' مطبوعہ ماہنامہ کنز الایمان، لاہور جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۱۷) ___ مذکورہ بات تلخ ہے مگر سو فیصد درست، افسوس۔

لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انھوں نے
کیا دین برحق کو بدنام انھوں نے

کر کے میرے اور اپنے مابین نفرت وحقارت کی ایک حد فاصل حائل کر دی۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ میری فکر اور سوچ تو صرف اس بات پر منتج نظر آتی ہے کہ شاید میری شبانہ روز کی اس محنت شاقہ میں اخلاص شامل نہ تھا۔

خیر! جو ہوا سو ہوا، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور قوم وملت کی نجات کے لیے کوئی مصطفےٰ کمال جیسا ''بے دین'' اُٹھے اور ان تمام ملنٹ اللہ[1] فی الارض کو تختہ دار پر لٹکا دے۔

یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ مصطفےٰ کمال نے جن ملاؤں کو نیست ونابود کیا تھا وہ سب ''نام نہاد سنی'' ہی تھے۔ لیکن صوفیہ کرام اور علمائے حق پر اس کا ہاتھ نہ اُٹھ سکا۔ اس کے عہد کے ایک صوفی شیخ محمد حسین آرداسی کا خلیفہ حسین حلمی الیشق آج بھی سینہ سپر ہے۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے نیک مقاصد میں کامیابیاں اور کامرانیاں صرف اس لیے حاصل ہوئیں کہ وہ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی کامل بھی تھے اور صوفی وہ ہوتا ہے، جسے حرام وحلال کی تمیز ہوتی ہے۔ دنیا دیکھے گی کہ مستقبل میں امام اہلسنت کا ذکر بلند سے بلند تر ہوتا رہے گا اور ہر دور میں سید ریاست علی پیدا ہوتے رہیں گے جو اس رجل عظیم کی خدمات جلیلہ سے دنیا کو متعارف کراتے رہیں گے۔ ان شاءاللہ العزیز۔

(۱) 'ملنٹ اللہ فی الارض'____ ''اس اصطلاح کو حضرت بابا محمد اعظم نوشاہی میر ودالی (۱۸۶۱ء۔ ۱۹۵۶ء) نے اپنی بے مثل تالیف ''بے مثل بشر'' کے دیباچہ میں استعمال کیا ہے اور اعلیٰ حضرت نے ''ملو'' لکھا ہے۔'' (محمد موسیٰ امرتسری، حکیم اہلسنت۔ مضمون ''اظہار حقیقت'' بحوالہ ماہنامہ ''کنز الایمان'' لاہور جنوری ۱۹۹۳ء، مشمولہ: حواشی، ص ۱۷)

قطع نظر اس سے ایک یہ بھی حادثہ ہے کہ موجود الوقت سجادہ نشینان بریلی شریف بڑی فراخدلی سے خلافتیں بانٹتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی حاجی مقبول ایسے خائن و بددیانت کو بھی بریلی شریف سے خلافت مل چکی ہے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ ایک پریشان و پراگندہ خیالات پر مشتمل مکتوب اس لیے آپ کی خدمت میں تحریر کیا جارہا ہے کہ آپ بھی میری طرح ''مولوی'' نہ ہونے کے باوجود خدمت مسلک حقہ میں مصروف ہیں۔ لہٰذا اپنے خلوص اور حلقہ احباب کو ہمیشہ جانچتے رہیں۔ رب العزت آپ کا حامی و ناصر ہو اور آپ کو ''نظر مولویاں'' سے محفوظ ومصئون رکھے۔ آمین ثم آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

والسلام مع الاحترام

محمد موسیٰ عفی عنہ

لاہور — حکیم محمد موسیٰ امرتسری

۲۱۔ اپریل ۱۹۸۷ء — ۵۵۔ ریلوے روڈ لاہور۔۷

حکیم صاحب علیہ الرحمہ جہاں ان گنت خوبیوں سے مالا مال تھے وہاں ان کی یہ عادت کریمہ تھی بفحوائے حدیث مبارکہ ''لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کرو'' پر عمل پیرا تھے۔ دوران گفتگو ایک روز فرمانے لگے دیکھو! ہمارے آقا ومولیٰ سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب لوگوں کو جمع کر کے پہلی دعوت دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ تو تمام حاضرین[1] نے بیک زبان

(۱) کہا تیری ہر بات کا یہاں یقین ہے
کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے

اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے آپ کو صادق پایا اور آپ کو امین بھی۔ پھر حکیم صاحب گفتگو جاری رکھتے ہوئے یوں گویا ہوئے کہ ایک مبلغ اور عالم دین کے لیے یہ بنیادی شرط ہے کہ وہ مذکور ہر دو صفتوں سے متصف ہو تو پھر لوگ یقیناً اس کی بات پر کان دھریں گے اور اس کی بات دل میں اتر جائے گی ___ وگرنہ بمصداق

ع ___ گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

حکیم صاحب کو مذکورہ بالا علماء کرام سے کوئی ذاتی کدتو تھی نہیں (وہ تو اہل حق کے تذکرے مرتب کرواتے رہے) اس لیے ان کا اختلاف محض لوجہ اللہ تھا کہ انھوں نے حکیم صاحب کی نسبت ایسے شخص کو ترجیح دی جس کا کوئی جواز نہ تھا اور نہ ہی یہ بات علما کے شایانِ شان تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ ایسا انسان کتب چھاپ کر دین حنیف کی بڑی خدمت سرانجام دے رہا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ دینی کتب تو ہندو اور دیگر غیر مسلم اب بھی طبع کرا کر مالی منفعت حاصل کر رہے ہیں! ___ جس کی واضح مثال جے ایس سنت سنگھ تاجران کتب لاہور کی ہے، جو قرآن مجید کا سب سے بڑا ناشر اور طابع تھا۔

الغرض مرکزی مجلس رضا کی تباہی و بربادی میں (جس سے یقیناً سواد اعظم کو دھچکا لگا اور اس کے سقوط سے اہلسنت کی جمعیت کے مستقبل اور ان کی اجماع حیات پر جو مضرت رساں اثرات مرتب ہوئے ان سب عوامل سے آگاہی کی ضرورت ہے) جو کردار سامنے آئے ان کی ایک جھلک بتدریج آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے۔ مجلس رضا کی عمارت زمین بوس ہونے کے ردعمل کے طور پر ''آہ! مرکزی مجلس رضا لاہور'' کے زیر عنوان جو پمفلٹ ان ہی ایام میں منظر عام پر آیا اور اسے مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور نے طبع کیا، اس پر آشوب باب کو محفوظ کرنے کے لیے اگلے صفحات میں ہم اسے من و عن نقل کریں گے تاکہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کو صحت بخش مواد کی فراہمی میں فوری استعمال کے لیے موجود حوالہ (Ready Reference) میسر آ سکے اور عوام الناس مذکور افسوسناک

صورت حال سے آگاہ ہو سکیں ___ پیش نظر سطور قلمبند کی جا رہی تھیں کہ حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے ایک معتمد ساتھی اور دیرینہ رفیق کار مکرم جناب ابو الطاہر فدا حسین فِداؔ زید مجدہٗ نے اپنی ایک مندرجہ ذیل تازہ نظم مرحمت فرمائی جو برمحل ہے اور آگے چلنے سے پہلے نذر قارئین ہے:

آہ مرکزی مجلس رضا لاہور

آہ کِس بد اصل نے پھیلائی وحشت سَر بسَر
مرکزی بزمِ رضا کو کھا گئی کس کی نظر؟
غاصب و جابر وہ حاجی بن گیا پیرِ مغاں
بندۂ بدکار ہے وہ بے حیا و بے خبر
دندناتا پھرتا ہے سفاک و ظالم رُوسیہ
جس کے دل میں نام کو بھی ہے نہیں خَوف و خَطر
حضرتِ مُوسیٰ کی رُوح پُر فتوح لائے گی رنگ
دیکھنا کِس طور پھرتا ہے وُہ ظالم در بدر
رُوحِ عبدِ مصطفیٰ ﷺ کا بھی ہے وہ معتوب اِک
نیست و نابُود ہو گا اس کا اِک دن کروفر
ہے وُہ بد بختِ ازل مقبول شیطان بد چلن
راندۂ درگاہِ ایزد ہے وُہ فردِ بد گہر
سرغنہ ہے رہزنوں کا، دیں فروشوں کا نقیب
ہو نہیں سکتا کسی کی بات کا اُس کو اثر

پیچ دے اپنا نہ کیوں وہ مذہبِ عزّو شرف
حکمِ خالق سے ہے جو بیگانۂ سمع و بصر
ہو گیا رُسوائے عالَم اے فِدآ وہ بدقماش
کیوں پکار اٹھیں نہ ہمدم الامان و الحذر

اب متذکرہ بالا پمفلٹ ''آہ مرکزی مجلس رضا لاہور'' (مطبوعہ ۱۹۸۷ء) جسے محمد رفیق جنزل سیکرٹری مرکزی مجلس امام اعظم نے مرتب فرمایا تھا ذیل میں درج کیا جارہا ہے ملاحظہ ہو۔

آہ مرکزی مجلس رضا لاہور

اہل سنت و جماعت کا ایک عظیم تبلیغی و اشاعتی ادارہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے نام سے دین متین کی قابل ذکر خدمت[1] کر رہا تھا۔

۱۹۶۸ء سے آخری سانس تک اس ادارے نے اعلائے کلمۃ الحق کا ایسا نمایاں کام کیا کہ حق و صداقت سے محبت اور لگاؤ رکھنے والوں کی رگوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ ہر سنی مسلمان کی یہی تمنا تھی کہ اس کی زندگی میں اس ادارے پر بڑھاپا نہ آئے بلکہ یہ اس

(۱) جناب پروفیسر محمد فیاض کاوشؔ مرحوم (ف۔ ۱۹۹۹ء)، سابق استاد شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج، میر پور خاص سندھ نے مرکزی مجلس رضا لاہور کی خدمت سے متاثر ہوکر ۱۹۷۴ء میں اپنے جذبات کا اظہار درج ذیل نظم میں فرمایا تھا۔

اعلیٰ حضرت کی یادگار ہے یہ   مرکزی مجلس رضا لاہور
عاشقانِ رسول کا مرکز   مرکزی مجلس رضا لاہور
مصدرِ عشق، منبعِ الفت   مرکزی مجلس رضا لاہور
زمزمہ خواں حدیث احمد کی   مرکزی مجلس رضا لاہور

سے زیادہ تیزی کے ساتھ رواں دواں رہے۔ آخر وہ دن بھی آیا جب اہلِ سنت و جماعت نے ۱۲۔ مارچ ۱۹۸۷ء کے روزنامہ جنگ میں یہ خبر پڑھی۔

مرکزی مجلس رضا ختم کر دی گئی

لاہور (پ ر) مرکزی مجلس رضا کی انتظامیہ اور مجلس عاملہ کے فیصلہ کے مطابق مرکزی مجلس رضا کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا۔ اور مرکزی مجلس رضا کا تمام اثاثہ حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسری کے حوالہ کر دیا گیا اور عمارت مسجد رضا، مدرسہ ضیاء الاسلام اور رضا فری ڈسپنسری اہل محلّہ کے حوالہ کر دیے گئے۔

اخبار میں یہ بیان شائع کروانے سے پہلے مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی نے ۸۔ مارچ ۱۹۸۷ء کو مرکزی مجلس رضا لاہور کے جنزل سیکرٹری جناب نواز بٹ صاحب کے نام ایک خط ارسال فرمایا جس سے مرحومہ مجلس رضا کے بارے میں کئی ایک باتوں کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہے منور یہ نور احمد سے   مرکزی مجلس رضا لاہور
رہبرِ منزلِ حقیقت ہے   مرکزی مجلس رضا لاہور
راہِ عرفان بتائے گی تم کو   مرکزی مجلس رضا لاہور
ترجمان ہے نکاتِ پنہاں کی   مرکزی مجلس رضا لاہور
محرمِ رازِ معرفت ہے یہ   مرکزی مجلس رضا لاہور
ہے مبلغ یہ دینِ فطرت کی   مرکزی مجلس رضا لاہور
نور پھیلائے گی یہ شریعت کا   مرکزی مجلس رضا لاہور
عشقِ محبوبِ رب سکھائے گی   مرکزی مجلس رضا لاہور
اور آدابِ دیں بتائے گی   مرکزی مجلس رضا لاہور
مصطفےٰ کی رضا میں راضی ہے   مرکزی مجلس رضا لاہور
معرفت کی تری شعاعیں ہیں   مرکزی مجلس رضا لاہور
مَیں نے دل میں بسائی ہے کاوشؔ
مرکزی مجلس رضا لاہور

انکشاف ہو جاتا ہے۔ مولانا شرف قادری صاحب سنیوں کے ایک معروف صاحب قلم جامعہ نظامیہ لاہور کے ایک مدرس بلکہ روح رواں اور مکتبہ قادریہ کے کرتا دھرتا ہیں۔ مکتبہ قادریہ لاہور کے لیٹر پیڈ پر لکھے ہوئے موصوف کے مذکورہ خط کی نقل ملاحظہ ہو:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم نواز بٹ صاحب جنرل سیکرٹری مرکزی مجلس رضا، لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کے علم میں ہے کہ راقم مجلس رضا، لاہور کا بنیادی رکن بھی نہیں ہے۔ البتہ اہل سنت و جماعت کا اہم اشاعتی ادارہ ہونے کی حیثیت سے اس کے ساتھ دیرینہ قلبی تعلق رکھتا ہے۔ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کے احتجاجی استعفا کے بعد میں نے یہی محسوس کیا کہ حکیم صاحب کسی صورت میں اپنا استعفا واپس نہیں لیں گے اور یہ عظیم ادارہ ختم ہو جائے گا۔ اسی خیال کے تحت حاجی مقبول احمد صاحب سے کہا کہ آپ کام کرتے رہیں، دوسری طرف حکیم صاحب مدظلہ سے مسلسل رابطہ رکھا کہ وہ جس صورت میں پسند کریں مجلس رضا لاہور کو دوبارہ اپنی سرپرستی میں لے لیں۔ آج بھی میری یہی آرزو ہے اور یہی دعا ہے۔

اب سننے میں آرہا ہے کہ بعض دوست یہ تاثر دے رہے ہیں۔ کہ میں نے حکیم صاحب مدظلہ کے مدمقابل کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ یہ تاثر نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ میرے لیے تکلیف دہ بھی ہے، میری رائے یہ ہے کہ مجلس صحیح طور پر اسی وقت کام کر سکتی ہے جب اسے حکیم صاحب کی سرپرستی حاصل ہوگی لہٰذا میں آج سے مجلس رضا سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں اور آپ سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ مجلس کا کام جہاں ہے اسے وہیں بند کر دیں[1] تاوقتیکہ حکیم صاحب اپنی سرپرستی میں نہیں لے لیتے۔

(۱) حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ کے مرکزی مجلس رضا لاہور کو خیر باد کے اپنے حتمی فیصلہ (۲۷۔ جولائی ۱۹۸۶ء) کے سات ماہ گیارہ روز بعد، مولانا عبدالحکیم شرف قادری، مجلس رضا سے ازخود نہ صرف لاتعلقی کا اظہار فرماتے ہیں بلکہ اپنے مذکورہ بالا خط میں اس کو ختم کرنے کا حکم صادر کرتے

مرکزی مجلس رضا لاہور ایک ایسا عظیم الشان تبلیغی و اشاعتی ادارہ تھا جس نے اہل سنت و جماعت کی مردہ رگوں میں ایک مدت سے زندگی کی لہر دوڑا رکھی تھی اس کی تبلیغی مساعی کا دائرہ ملک کے اندر ہی محدود نہیں تھا بلکہ دنیا کے کتنے ہی ممالک میں اس کی پیش کردہ نگارشات پہنچ رہی تھیں اور لوگ فیضیاب ہو رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حق وصداقت سے لگاؤ رکھنے والے ہر ذی ہوش سنی کی یہی تمنا تھی کہ یہ ادارہ ہمیشہ قائم رہے اور اس کا تبلیغی دائرہ اور وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے۔ اسی کارکردگی کے باعث اہل حق کے دلوں میں مجلس رضا کے ہر کارکن کا احترام تھا اور خصوصاً حکیم اہلسنت، جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ تو حق پرستوں کے دلوں میں بس گئے تھے اور ہمیشہ دلوں میں بسے ہی رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ

انھیں دیکھ کر خوشی سے ہوئیں خندہ زن بہاریں
وہیں پھول مسکرائے وہ گزر گئے جہاں سے

جب اہل سنت و جماعت کے باخبر افراد نے مرکزی مجلس رضا کے ختم ہونے کی خبر پڑھی یا سنی ہوگی تو ان کے دلوں پر کیا گزری ہوگی؟ کیا اہل علم و دانش خون کے آنسو نہ روئے ہوں گے؟

ان مہربانوں اور کرم فرماؤں کی جرأت و جسارت، دانائی و دوراندیشی اور تقویٰ و طہارت کی داد بھلا کون دے سکتا ہے جنھوں نے اپنے ہی ایسے عظیم الشان، قابل فخر اور مفید ترین تبلیغی ادارے کا خود اپنے ہاتھوں خون کر کے بدخواہوں کو اپنے گھروں میں چراغاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
ہیں، لہٰذا اس کے بعد مولانا موصوف کا یہ ارشاد کہ ''۱۹۸۷ء میں انھیں اور مولانا محمد منشا تابش قصوری کو مجلس سے پراسرار وجوہ کی بنا پر الگ کیا گیا'' کسی طرح درست نہیں!

چھپا رکھا تھا جس کو مدتوں سے دل میں اے انور
ہزار افسوس وہ شرح و بیاں تک بات جا پہنچی

کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ [1] مجلس رضا سے قلبی لگاؤ رکھنے والا کوئی ان مہربانوں سے پوچھے تو سہی کہ بِاَیِّ ذَنۡبٍ قُتِلَت۔ اسے کس گناہ کے بدلے قتل کیا گیا؟ کیوں دن دہاڑے اور سر بازار اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا؟ سنیوں پر یہ قیامت ڈھانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟

واقعہ کچھ یوں ہوا کہ مجلس رضا ہی کے ایک ذمہ دار کارکن [2] نے بڑی حد تک اس کی جان نکال لی تھی۔ جب محترم حکیم صاحب کے علم میں یہ بات آئی تو دل برداشتہ ہو گئے۔ جبکہ اس عہدیدار نے حسب منشا کاغذات کا پیٹ [3] بھرا ہوا تھا۔ جناب حکیم صاحب نے احتجاجاً مجلس رضا سے استعفا دے دیا۔ کیوں کہ وہ خائنوں [4] کا ساتھ نہیں

---

(۱) کیونکہ مرکزی مجلس رضا کی مساعی سے مخالفین کافی پریشان تھے۔

(۲) اشارہ بجانب حاجی مقبول احمد قادری ضیائی، سابق خازن مرکزی مجلس رضا لاہور

(۳) خودساختہ اور بعض سادہ رسیدوں سے نہ صرف کاغذات میں خانہ پری کی گئی تھی بلکہ حساب میں بھی گڑبڑ تھی، کسی رسید پر بھی صدرِ مجلس کے دستخط ثبت نہ تھے جس سے مجلس کے خازن کو کھلی چھٹی مل گئی۔ اور دوسری طرف صدر مجلس نے ہنگامی حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مجلس کا کوئی اجلاس طلب کرنے کے بجائے ''سکوت'' ہی میں عافیت سمجھی اور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اغماض سے کام لیا۔

(۴) مجلس کے خائن خازن نے پھر یہ دعویٰ داغ دیا کہ وہ اپنی ذاتی رقوم (حالانکہ اس بات میں کوئی حقیقت نہ تھی) مرکزی مجلس رضا کے حساب میں جمع کراتے رہے ہیں جس کا کوئی جواز نہ تھا اور نہ ہی مجلس کے دستور میں ایسی کوئی شق۔ اور مجلس کے صدر (میاں زبیر احمد قادری ضیائی) کے بقول، حالانکہ خازن مذکور کے دو مختلف ذاتی بنک اکاؤنٹس بھی تھے، لیکن صدر مرکزی مجلس رضا چونکہ ان دنوں موصوف کے ذاتی طور پر مقروض بھی تھے، اس لیے انھوں نے مجلس کا اس وقت کوئی اجلاس طلب کیا اور نہ ہی خازن مجلس سے کسی قسم کی باز پرس کی بلکہ صدر ممدوح نے سب کچھ جانتے بوجھتے طویل چپ سادھ لی تو اندریں حالات بانی مجلس حکیم محمد موسیٰ صاحب نے مرکزی مجلس رضا سے آئندہ ہمیشہ کے لیے (اگرچہ بعض لوگ اب بھی حکیم صاحب قدس سرہ کا نام نامی، مرحومہ مرکزی مجلس رضا کے لیے بے دریغ استعمال کر رہے ہیں) بطور احتجاج، اپنا تعلق اور سرپرستی ختم کر لی۔

دے سکتے تھے۔ مجلس رضا کی جان نکالنے والے صاحب نے بعض علمی و روحانی [1] ہستیوں کی پناہ حاصل کر لی۔ اور شکریے میں مجلس رضا کی رہی سہی جان ان حضرات پر نچھاور کر دی۔ اب مجلس رضا کو غسل وکفن دے کر اس پر جامعہ نظامیہ میں نماز جنازہ پڑھ دی گئی۔ اور مرحومہ کی لاش کو ایک ٹرک میں لدوا کر حکیم صاحب کی دکان پر بھیجا گیا کہ حضور والا! اپنی چہیتی مجلس کو اپنے مکان کے صحن میں دفن کر لینا تا کہ آپ کے چاہنے والوں اور اس کے سوگواروں کو فاتحہ خوانی میں آسانی رہے۔ حکیم صاحب نے یہ کہہ کر اس لاش کو واپس کر دیا کہ جامعہ نظامیہ کا صحن اس کے مزار کے لیے زیادہ موزوں ہے ـــــ دریں حالات ۱۲۔ مارچ (۱۹۸۷ء) کے جنگ لاہور میں جو یہ خبر شائع کروائی گئی کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غرض آخری صدر مجلس محض اپنی ذاتی اغراض اور سونے گئے طے شدہ پروگرام (جس سے ملک کے بعض دانشور باخبر ہیں) کی تکمیل کرتے ہوئے، ایک عظیم ادارے کا خون کرنے میں شریک ہو گئے۔ اب ان لوگوں کا ایک دوسرا رخ بھی ملاحظہ کیجیے، جس سے بات واضح ہو جائے گی کہ انھوں نے حکیم صاحب کے حلقہ احباب کو کم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور حکیم صاحب کی تقریب چہلم منعقدہ ۲۱۔ جنوری ۲۰۰۰ء کے موقع پر ایک ایسے مولانا کو اسٹیج پر خطاب کی دعوت دے دی جنھوں نے خائن خازن کا ہاتھ تھام لیا تھا چنانچہ مدیر ''ماہنامہ نعت'' لاہور (جون ۲۰۰۰ء) میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''۲۱۔ جنوری ۲۰۰۰ء کو محققِ عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا چہلم بعد نماز جمعہ دربار داتا گنج بخش میں منایا گیا۔ منتظمین نے ایسے ظالموں سے بھی تقریریں کروائیں جنھوں نے مرکزی مجلس رضا کا خاتمہ کیا اور اس کا پیسہ کھا جانے والوں کے ساتھی تھے۔ نیز حضرت رسولِ انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرنے والوں کو گفتگو کی دعوت دی گئی۔ اس لیے مدیر نعت اپنے ساتھیوں سمیت اجلاس سے چلے آئے۔''

(۱) ان روحانی ہستیوں کا تعلق لاہور کی دینی درسگاہ ''جامعہ نظامیہ'' سے تھا۔ اب بجائے اس کے کہ مفتیان جامعہ اور حضرات اساتذہ کرام اسلام میں ''امانت میں خیانت'' کا کیا حکم ہے؟ واضح کرتے انھوں نے خیانت کا راستہ بند کرنے کی بجائے الٹا اس بات کا مذکورہ ''خازن'' کو حکم دیا کہ یہ سلسلہ (خیانت کا کام) جاری رہنا چاہیے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ مولانا اشرف قادری، استاذ جامعہ خود ہی فرماتے ہیں:

"مرکزی مجلس رضا کا تمام اثاثہ حکیم اہلسنت محمد موسیٰ امرتسری کے حوالہ کر دیا گیا؟"

خدا شاہد ہے کہ اس خبر کا صداقت سے ایک فیصد بھی تعلق نہیں ہے۔

اب رہا مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب والا معاملہ۔ موصوف بڑے صاحب علم وفہم ہیں، لیکن ان کے مذکورہ خط سے تو چودہ طبق روشن ہو گئے ہیں۔ بقول ان کے وہ مرکزی مجلس رضا کے بنیادی رکن بھی نہیں تھے بلکہ مجلس سے صرف دیرینہ قلبی تک تعلق تھا لیکن حکیم صاحب کے مستعفی ہو جانے کے بعد ان کے مقام پر بلکہ منزلوں آگے مولانا شرف صاحب ہی نظر آتے (۱) ہیں جیسا کہ مذکورہ خط میں انھوں نے خود بتایا کہ موصوف نے مجلس رضا کے خزانچی کو کام جاری رکھنے کا حکم فرمایا تو انھوں نے سر جھکا کر تعمیل

"اس وقت میں نے محترم حاجی محمد مقبول احمد قادری ضیائی مدظلہ سے عرض کیا تھا کہ:

"حاجی صاحب اشاعت کا کام ہر قیمت پر جاری رکھیں"۔

اللہ تعالیٰ انھیں خوش رکھے کہ انھوں نے میری درخواست کی لاج رکھ لی"۔

(دیکھیے۔ "محسن اہل سنت" مرتبہ عبدالستار طاہر، ص ۱۵۱)

کاش کہ یہ حضرت کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِینَ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حق وصداقت کے علمبردار حکیم محمد موسیٰ علیہ الرحمہ کا ساتھ دیتے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ فیاللعجب!

(۱) حقائق وقرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مرتب "آہ مرکزی مجلس رضا لاہور" کے خدشات صحیح تھے کیونکہ مرکزی مجلس رضا کی تعمیر کردہ مسجد رضا و مدرسہ ضیاء الاسلام (واقع چاہ میراں لاہور) میں مجلس کے متوازی جو تنظیم "رضا اکیڈمی" کے نام سے ۱۹۸۶ء میں قائم کی گئی اس کے بانی مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، سرپرست اعلیٰ مولانا مفتی عبدالقیوم، مہتمم جامعہ نظامیہ اور جامعہ ہی کے ایک استاذ فارسی مولانا محمد مولانا محمد منشا تابش قصوری سرپرست اور مشیر قرار دیے گئے۔ ان "محبان رضا"

ارشاد کی اور یہ بالکل نہیں کہہ سکے کہ حضرت آپ تو مجلس رضا کے بنیادی رکن بھی نہیں، لہٰذا مجھے یہ حکم آپ کس حیثیت میں دے رہے ہیں؟ اسی طرح مجلس رضا کے آخری جنرل سیکرٹری جناب نواز بٹ صاحب کو حکم دیا کہ،

"مجلس رضا کا کام جہاں ہے اسے وہیں بند کر دیں"

تو وہ بھی تعمیل ارشاد پر مجبور نظر آئے اور موصوف کے سامنے کان بھی نہیں ہلا سکے۔ یوں محترم شرف صاحب نے واضح کر دیا کہ وہ حکیم صاحب کے مدمقابل نہیں بلکہ متبادل کی حیثیت میں کھڑے ہوئے اور مجلس رضا میں حکیم صاحب سے بھی بدرجہا اونچی اپنی حیثیت متعین کی جس سے وہ مجلس رضا کے کمانڈر ان چیف یا بے تاج بادشاہ بلکہ مطلق العنان ڈکٹیٹر کی حیثیت اختیار کر گئے کہ نہ انھیں مجلس رضا کے اراکین سے مشورہ کرنے کی ضرورت پیش آتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نے مذکورہ مدرسہ اور مسجد رضا میں داخل ہوتے ہی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی جاری کردہ یوم رضا کی ملک گیر اور ہمہ گیر تحریک کو اس کے مرکز لاہور ہی میں دفن کر دیا اور سارا زور حاجی مقبول احمد قادری ضیائی کی دیانت و امانت کی گواہی دینے پر صرف کر دیا۔ اور سچ ہے۔

ع: من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

چنانچہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں کہ:

"جناب محترم حاجی محمد مقبول احمد قادری ضیائی مدظلہ العالی اور ان کے رفقا (؟) نے رضا اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ حاجی صاحب نے مجلس رضا کے پلیٹ فارم پر تیرہ سال کام کیا اور رضا اکیڈمی کے تحت انھیں کام کرتے ہوئے بارہ سال ہونے کو ہیں۔۔۔ مومنانہ تب و تاب رکھتے ہیں۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے وہ خلوص اور محبت کا پیکر ہیں۔۔۔ ان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ رضا اکیڈمی کو مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی ایسا پیکر اخلاص اور عمل پیہم پر یقین رکھنے والا دست و بازو مل گیا ہے۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بجائے خود ایک اکیڈمی ہیں۔"

اب جامعہ کے استاذ فارسی کی بھی سنیے، ان کے جاری کردہ "سرٹیفکیٹ برائے امانت و دیانت" کے الفاظ کے تیور، درج ذیل اقتباس میں ملاحظہ ہوں۔ مولانا منشا تابش قصوری "وہ بہندا دریا" (یا پھر بہتی گنگا؟) مطبوعہ ۱۹۹۲ء میں فرماتے ہیں۔

تھی اور نہ مجلسِ عاملہ سے فیصلہ کروانے کی۔ یعنی اپنے چند روزہ دور میں موصوف ہی سب کچھ تھے اور باقی سب سے بے نیاز۔ ہائے افسوس!

ع: اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کاش! مرکزی مجلس رضا کی جان کھینچنے والے اور اسے ختم کرنے والے خوف خدا اور خطرہ روز جزا کو مدنظر رکھتے۔ میدان محشر کی ہولنا کیوں سامنے نہ رہی کہ سورج سوا نیزے پر ہوگا، جس کی تپش سے زمین تپ کر تانبے کی طرح ہو جائے گی۔ اسی تپتی ہوئی زمین پر کھڑا کر کے داور محشر حساب لے گا جبکہ حضرات انبیاء کرام بھی نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ لہٰذا مجلس رضا جیسے اہل حق کے عظیم الشان تبلیغی ادارے کی جان نکالنے والے اور اسے ختم کرنے والوں سے

جب سرِ محشر وہ پوچھے گا بلا کے سامنے
کیا جوابِ جرم دیں گے یہ خدا کے سامنے

(محمد رفیق۔ ''آہ مرکزی مجلس رضا لاہور'' مطبوعہ ۱۹۸۷ء، ص ۳۔۸)

مذکورہ بالا اسناد شواہد دیکھنے کے بعد قارئین و ناظرین یقیناً ان عناصر کے ذکر سے کبیدہ خاطر ہوں گے جن کی حرص و طمع نے مرکزی مجلس رضا لاہور ایسی عظیم الشان تحریک کا خون کر دیا ـــــ وہ تحریک جسے حکیم صاحب مرحوم و مغفور نے اپنے خون جگر سے سینچا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

''رضا اکیڈمی دے کرتا دھرتا حاجی مقبول احمد قادری ضیائی نے انہاندے (اوہناں دے) نال جنے دی ساتھی، سجن تے بیلی نے (نیں) انہاں (اوہناں) ساریاں نے حاجی صاحب تے بڑا اعتماد کیتا ہویا اے، حاجی صاحب دی پوری امانت تے دیانت نال کم کر کے اپنا تھاں تے ناں بنالیا اے، انہاندی (اوہناں دی) سچائی دی گواہی انہاندے (اوہناں دے) کم دے رہے نے (نیں) وڈے وڈے عالماں تے لکھاریاں نے انہاں (اونہاں) دی کارکردگی نوں بڑا پسند کیتا اے، حاجی صاحب نے جدوں دا ایہہ کم سنبھالیا اے اودوں (اوہدوں) دے او بڑے ای رج گئے نے (نیں)۔۔۔''

مولانا عبدالحکیم خاں صاحب اختر شاہجہانپوری ''کلمہ حق'' مطبوعہ ۱۹۸۷ء کے ابتدائیہ میں ''حکیم اہل سنت سے بے وفائی'' کے زیر عنوان، ناظم ادارہ غوثیہ رضویہ لاہور قمطراز ہیں کہ:

''حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی، جنھیں شیخ العرب و العجم قطب مدینہ شاہ ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی (متوفی: ۱۹۸۱ء) نے ''حکیم اہل سنت'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے ''مرکزی مجلس رضا'' کے نام سے ایک تبلیغی ادارہ قائم کیا جس کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی اور اہل سنت کو ''انقلاب از کتاب'' کا درس دیا اور ہر محاذ پر علمی، دینی اور ملی کام کرنے والوں کی راہنمائی کی۔ چنانچہ آج اشاعت کتب کے سلسلہ میں جو انقلاب نظر آ رہا ہے، یہ حکیم صاحب ہی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ موصوف کے شائع کردہ لٹریچر کے اثرات برصغیر[1] (برعظیم) پاک و ہند کے علاوہ تمام مغربی ممالک میں بھی پھیل گئے اور مخالفین اہل سنت تو کیا مستشرقین نے بھی آپ کی اس قابل قدر خدمت کا اعتراف کیا۔ مگر جولائی ۱۹۸۶ء کے آخر میں حکیم صاحب نے ''مجلس رضا'' سے لاتعلقی کا اعلان کر کے دردمندان اہل سنت کو یاس و نا اُمیدی میں مبتلا کر دیا...... اس افسوسناک صورت حال کے پیش نظر ہم ایسی کتاب[2] مرتب کرنا چاہتے ہیں،

(۱) ''لوگ Sub-Continent of Indo-Pakistan کا ترجمہ برصغیر پاک و ہند کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس میں بنگلہ دیش بھی شامل ہے۔ ثانیاً جب ہم (Continent) کا ترجمہ براعظم کرتے ہیں تو پھر (Sub-Continent) کا ترجمہ برصغیر کیونکر صحیح ہے۔ اعظم کا اسم تصغیر عظیم ہے صغیر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہرہ آفاق مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی تصنیف کا نام ''برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ'' رکھا۔ اس وقت تک بنگلہ دیش کا وجود نہ تھا۔'' (محمد اسلم، پروفیسر۔ ''تحریک پاکستان'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۱۲)

(۲) زیر بحث موضوع پر بوجوہ تفصیل سے نہ لکھا جاسکا، اس کا سبب یہ تھا کہ **الامور موھونۃ باوقاتہا**

ع ـــــ اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے

جس سے عوام الناس اس کے اسباب و وجوہ جان کر حق و باطل میں صحیح امتیاز کر سکیں۔۔۔۔''

محترم مختار جاوید منہاس، مدیر ماہنامہ ''حسنِ عمل'' لاہور اپنے ایک مضمون ''چہ دلاور است دزدے'' میں مذکور بالا دل خراش صورت حال کے اسباب وعلل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مال و دولت جمع کرنے کی حرص، جاہ طلبی، ناموری، عزت و مرتبہ اور لوگوں میں ممتاز ہونے کی خواہش، انسانی فطرت میں شامل ہے۔ ماسوا اللہ کے نیک بندوں کے جو تقویٰ کی بلندی پر سرفراز ہونے کی بدولت اِن آلائشوں سے اپنا دامن بچالے جانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

سب سے زیادہ قابلِ رحم حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو دولت اور شہرت کے حصول کے لیے جائز و ناجائز حق و ناحق کے درمیان حد فاصل کو روندڈالنے سے ذرا نہیں ہچکچاتے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اکثر ان مکروہات کے مرتکب اپنی نیکی اور پارسائی کا ڈھنڈورا پیٹتے نظر آتے ہیں وہ لوگوں کو دیانت و امانت کی تلقین کرتے اور خود بددیانتی اور خیانت کی راہ پر چل کر اپنے مقاصد کی تکمیل کو مباح سمجھتے ہیں۔

حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ سے قائم ہونے والی مرکزی مجلس رضا لاہور، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کے فیوض و برکات سے اہلِ وطن کو سیراب کرنے کا کارِ خیر بڑی عمدگی اور برق رفتاری کے ساتھ انجام دے رہی تھی کہ کچھ ''کرم فرماؤں کی مہربانی'' سے مجلس کی بساط لپیٹ دی گئی اور حکیم صاحب مرحوم و مغفور دل برداشتہ ہو کر لاتعلق ہو گئے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد، آں آشنا کرد

مالی خرابیوں کی شکایات متواتر مل رہی تھیں، جن کی موجودگی میں حکیم صاحب رحمہ اللہ مجلس کی سرپرستی جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ یہ بھی ان کی عظمت اور بے لوثی کا ثبوت ہے کہ وہ مجلس جو دراصل ان کے نام سے ہی جانی اور پہچانی جاتی تھی اس میں سے ناپسندیدہ عناصر کو نکال باہر کرنے کے بجائے خود الگ ہو گئے۔''[1]

---

(۱) چنانچہ مجلس کے سیکرٹری جنرل، محمد نواز بٹ اور دیگر ارکان انتظامیہ و عاملہ مرکزی مجلس رضا کے نام حکیم صاحب مرحوم و مغفور نے جو مراسلہ مورخہ ۲۷۔ جولائی ۱۹۸۶ء کو ارسال فرمایا تھا، اس کا مکمل متن ذیل میں درج کیا جا رہا ہے جس سے حکیم صاحب قبلہ کے ان ''بہی خواہوں'' کی حقیقت مزید آشکارا ہو جائے گی جو مجلس رضا کے زوال پزیر ہونے کے گیارہ بارہ سال بعد، آج اس بات کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں (؟) اور اس پروپیگنڈہ میں سرگرداں بھی! کہ مرکزی مجلس رضا لاہور میں ان کی ''سترہ سالہ سنہری خدمات'' کے باوجود انھیں مجلس سے پراسرار وجوہ کی بنا پر خارج کر دیا گیا جبکہ اصلیت اُس طرح تھی (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مذکور ہو چکا) کہ حکیم صاحب کے ''معتمد علما'' نے مجلس کی جان نکالنے والے اس سرغنہ کا دامن پکڑ کر شہید علم و حکمت (جناب حکیم صاحب) کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور آپ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ:

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

مراسلہ مذکور کا متن ملاحظہ ہو۔

''جناب محمد نواز بٹ صاحب جنرل سیکریٹری مرکزی مجلس رضا و دیگر ارکان انتظامیہ و عاملہ

سلام مسنون!

مَیں آج مورخہ ۲۷۔۷۔۸۶ سے مجلس رضا سے مَیں مجلس رضا کی رکنیت سے لے کر سرپرستی تک کے تعلق کو ختم کرتا ہوں۔ لہٰذا آج کے بعد میرا مجلس سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہے گا۔ حتیٰ کہ مشورہ بھی نہیں دوں گا۔

میرا یہ فیصلہ انشراح صدر اور مکمل یقین کے ساتھ ہے۔

نوٹ: اس فیصلے پر ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ)

لہٰذا کوئی صاحب نظر ثانی کے لیے نہ کہیں اور نہ کوئی صاحب اس علاحدگی کے اسباب پوچھنے کی کوشش کرے۔

خدا حافظ
(دستخط) محمد موسیٰ عفی عنہ
۲۷۔ جولائی ۱۹۸۶ء

(مہر) حکیم محمد موسیٰ امرتسری
۵۵۔ ریلوے روڈ، لاہور

مذکورہ بالا ایام کے بعد (یعنی اپریل ۱۹۸۷ء میں) فاضلِ شہیر درویش منش حضرت مولانا محمد عبدالحکیم خان اخترؔ مجددی، مظہری، شاہجہانپوری علیہ الرحمہ (ف ۱۹۹۳ء) بانی مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور کی مطبوعہ نظم جو مولانا موصوف کی تصنیف کلمۂ حق کے صفحہ ۲ پر ''لاہور کے مردِ قلندر، دانائے اہلِ سنت، حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کے نام'' حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ میں شائع ہوئی تھی، ذیل میں درج کی جارہی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے:

لاہور کے مردِ قلندر، دانائے اہلِ سنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری قدس سرہٗ کے نام

عشق کی ہے مدح خواں آج تک نہرِ فرات
عشق سے رنگین ہے یہ جہانِ شش جہات
عشق تری لَے میں ہے عشق تیری نَے میں ہے
عشق ہے تیری دلہن، عشق ہے تیری برات
عشق سے ہے زندگی، عشق سے تابندگی
عشق ہے کانِ مراد، عشق ہے جانِ حیات
آ کہ سنواریں زرا، زلف پریشان دیں
اس سے ہی قسمت بنے، ہے یہ متاعِ حیات
آج تو تنہا نہیں، ساتھ ہیں شاہِ رضا
سحر اب ہونے کو ہے، دیکھ کہ بھیگی ہے رات
سید ہجویر کی تجھ پہ ہے چشمِ کرم
ھند کےسلطان کی ہے نگہِ التفات
عظمتِ شاہ رضا جب کہ ہے پیشِ نظر

آپ سے راضی ہوئے تاجور(۱) کائنات
کام سے قسمت بنے، کام سے عزت ملے
وہ بھی لگیں کام میں جو کہ بناتے ہیں بات
نام سے کچھ نہیں بھی، کام سے بنتا ہے کام
رہزنوں کی چال دیکھ، چھوڑ ان کی ذات پات
غیظ میں جلتے ہیں وہ،جھوٹ پہ پلتے ہیں وہ
پہنچے جو پیشِ حرم، دل میں لیے سومنات
عالمانِ دین بھی، اِک روپے کے تین بھی
ملتے ہیں اِس دَور میں جہل کے لات و منات
سوگئے تھے پیشوا، چھوڑ کر خالی حرم
ان کو جگانا بھی ہے چھیڑ کر سازِ حیات
عالمِ دیں ہے وہی، عاقبت پہ ہو نظر
ان سے جہاں کا ثبات، ہیں یہی قدسی صفات
راہروِ راہِ حرم، تیز تُرک گام زن
ٹوٹ نہ جائے کہیں، تارِ نَفَس بے ثبات
رَن میں نبرد آزما ہو گیا اخترؔ ترا
شاطرانِ دین کے کرتے جو مہرے ہیں مات

(۱) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، اقبال احمد فاروقی کے نام اپنے مکتوب مورخہ ٣۔دسمبر ١٩٩٩ء میں رقم فرماتے ہیں:

"محسن ملت، نقیب انقلاب حکیم محمد موسیٰ امرتسری قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے تحریکِ فکر رضا کا آغاز فرمایا اور اس کو عالم گیر بنایا۔۔۔انھیں کی تحریک سے سوئے ہوئے جاگے اور جاگے ہوئے فکر رضا کی تحقیق میں لگ گئے۔۔۔رفتہ رفتہ مٹانے والے چھٹنے لگے اور بات بلند سے بلند ہوتی چلی گئی ___ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمَةُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ___ اور کیفیت یہ ہوگئی ___ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ___ پھر جو ہونا تھا وہ ہوا ___ ظلمتیں چھانے لگیں ___ سب کو آپ کا ممنون ہونا چاہیے کہ اندھیریوں سے روشنی میں لائے اور یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ کا کردار ادا کیا ___ تن تنہا وہ کام کیا جو ایک انجمن بھی نہ کرسکتی تھی ___ کشتی کو ڈوبنے نہ دیا ___ ناخدا ہی پر نہیں اہل سنت پر آپ نے احسان فرمایا ___ آپ کی ہمت کو سلام! ___"

مذکورہ بالا مکتوب میں جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرت حکیم صاحب کو جس طرح خراجِ تحسین پیش کیا اور دنیائے سنیت پر حضرت مرحوم کے احسانات کا ذکر فرمایا، بلاریب وہ اس کے مستحق تھے اور ہیں اور رہتی دنیا تک رہیں گے۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

سردار علی احمد خان لکھتے ہیں کہ حکیم صاحب تمام تر مسلک اہل سنت و جماعت کی خدمت میں اور مشن کی تشہیر کے لیے تا زیست وقف رہے"[1] ___ حکیم صاحب علیہ الرحمہ چونکہ اہل تصوف میں سے تھے اس لیے انھوں نے صوفیانہ مشرب کو فروغ دیا۔ امرا اور ارباب جاہ کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور اپنے عالمانہ وقار کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔ مذکور خصائل کی حامل، حکیم صاحب علیہ الرحمہ ایسی ہی شخصیت کے لیے ان کے بعد از وفات نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی المتخلص بہ حسرتؔ مرحوم (١٨٦٦ء۔١٩٦١ء) نے کیا خوب کہا تھا۔ ؎

رہ روانِ شوق ازما سالہا آرند یاد
نقشہا انگیخت در راہِ محبت گامِ ما

"تمہارے شوق کی راہ پر چلنے والے مدت مدید سے گامزن ہیں، ہمارے قدم تمھاری محبت کے نقوش پر چل رہے ہیں"۔

مذکورہ بالا شعر کی جانب احقر کا دھیان یقیناً حکیم صاحب کے ان نقوشِ محبت کے طفیل مبذول ہوا جو نقوش بمصداق ع: "رفتید ولے نہ از دلِ ما" ___ حکیم صاحب مرحوم سے فیضیاب ہونے والے ان گنت افراد لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے پائندہ و تابندہ ہیں۔ خیال رہے کہ مندرجہ بالا شعر، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں واقع "آدم جی پیر بھائی منزل" کے اندر اس یادگار پتھر پر آج بھی کندہ ہے جو نواب شروانی مرحوم نے فضائل پناہ حضرت سید سلیمان اشرف بہاری مرحوم و مغفور کی یاد میں ١٩٣٩ء میں کہا تھا، کوئی چونتیس سال ہوئے کہ مذکورہ "بیادگار" پتھر کا فوٹو، علی گڑھ سے حکیم صاحب مرحوم ہی کے ایک معتقد جناب حکیم محمد خلیل احمد القادری الجائسی، ریڈر طبیہ کالج نے احقر کو بعض دوسرے

(١) ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور، جنوری۔فروری ٢٠٠٠ء، ص٨١، بعنوان "حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ۔ اہل سنت کا ایک روشن ستارہ"۔

نوادرات کے ساتھ ارسال فرمایا ــــــ مکرم حکیم خلیل احمد صاحب (علی گڑھ) راقم کے نام اپنے مراسلہ مورّخہ ۱۱۔اگست ۱۹۸۶ء میں لکھتے ہیں۔

''جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب مدظلہم العالی اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا قدس سرہٗ) کی شخصیت کو بے نقاب کرنے والے اور جہان کو ان کی عظمت کی طرف چشمِ حیرت کے ساتھ موڑنے والے ہیں، دنیائے سنیت پر ان کا ایسا احسان ہے جس کی جزا دینے کے تصور سے ہم سب اپنی عاجزی اور مجبوری کے احسان پر شرمندہ ہیں۔انھیں کی ذات ہے جس نے کمال تدبر، تفکر، حسن تدبیر و عمل اور مسلسل بیکراں جدوجہد اور والہانہ کارناموں، عزم و استقامت کی جو مثال قائم کی ہے وہی ان کی حیات مبارکہ کے دوام و ثبات کی ضامن ہے۔''

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

سابق مدیر خدام الدین، لاہور اور ماہنامہ صوت الاسلام، فیصل آباد کے مدیر اعلیٰ جناب مجاہد الحسینی راقم الحروف کے نام اپنے تعزیتی خط میں حکیم صاحب علیہ الرحمہ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں :

''ـــــ حکیم صاحب بڑے محقق عالم اور خلیق انسان تھے۔ مَیں ان کے تحقیقی اور علمی خدمات سے بہت متاثر ہوا، حکیم صاحب کے ساتھ لاہور میں ملاقات رہتی تھی، انھوں نے علماء امرتسر پر ایک مطبوعہ مضمون بھی دیا تھا جسے میں نے شائع کر دیا تھا،ـــــ ان کی وفات سے مجھے گہرا صدمہ پہنچا۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کر کے جنت میں بلند مقام عطا فرمائے اور آپ حضرات کو صبر اور استقامت کی توفیق دے، ان کے رفیقِ خاص مولانا محمد عالم مختار حق

کی خدمت میں سلام اور تعزیت ـــ۔''

مندرجہ بالا آرا پڑھنے کے بعد اکادکا وہ مایوس ذہن جو محسن اہل سنت حضرت حکیم صاحب کے بارہ کسی قسم کے شک میں مبتلا تھے تو شاید اب روشنی کی کرن محسوس کریں ـــــ یقیناً

ع: اس کی بلندیوں کی کوئی انتہا نہیں

بانیِ مرکزی مجلس رضا، حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ والغفران کا ریلوے روڈ لاہور پر واقع ان کا مطب درحقیقت ایک مرد درویش کی خانقاہ تھی جہاں اہلِ علم و قلم کا تانتا لگا رہتا تھا، یہاں ہر قسم کے لوگ حاضر ہوتے اور مرحوم کے حکمت کدہ سے بھی فیضیاب ہوئے جیسا کہ ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''درویش'' لاہور نے اپنے مضمون ''حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ'' میں لکھا ہے:

''بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کی ادارت مَیں نے حکیم صاحب کے کہنے پر قبول کی تھی۔ مَیں اس زمانہ میں ''سیارہ ڈائجسٹ'' کا مدیر معاون تھا۔ایک روز حکیم صاحب نے مجھے فون کیا کہ تھوڑی دیر کے لیے میرے مطب میں آجائیں، ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ مَیں وہاں پہنچا تو دیکھا پیر محمد کرم شاہ الازہری بھی وہاں بیٹھے ہیں۔ ان دنوں پیر صاحب نے ماہنامہ ضیائے حرم کا آغاز کیا تھا۔ غالباً چند شمارے بھی شائع کئے تھے ـــــ حکیم صاحب کی بڑی خواہش تھی کہ ہمارے حلقہ سے بھی ایک معیاری رسالہ شائع ہوتا رہے۔ پیر صاحب نے بتایا کہ ہم نے بڑے شوق سے یہ رسالہ جاری کیا تھا، لیکن چونکہ اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف نہ تھے، اس لیے کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہم پچیس سو کی تعداد میں رسالہ شائع کرتے ہیں، لیکن ناتجربہ کاری کے باعث سب گودام میں رکھا رہتا

ہے۔۔۔ مَیں نے ضیائے حرم کو کامیاب بنانے کے لیے پیر صاحب کو چند مشورے دیے، جو انھوں نے فوراً نوٹ کر لیے۔۔۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ مشوروں کا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ مَیں نے اس کی ہامی بھر لی، لیکن کئی روز کے بعد حکیم صاحب نے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ سیارہ ڈائجسٹ کے بجائے ضیائے حرم کی ادارت سنبھال لیں، میری نظر میں دوسرا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے، جو اہلِ سنت کے اس رسالہ کو قرینہ کے ساتھ ایڈٹ کر سکے۔ حکیم صاحب کے اس حکم پر مَیں نے لبیک کہا اور سولہ سال تک نہایت خلوص سے لوجہ اللہ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کی ادارتی ذمہ داری نبھائی۔''[1]

اس طرح حکیم صاحب نے اہلِ سنت کے مذکورہ جریدہ کی ترویج و اشاعت میں بھی نمایاں حصہ لیا ___ گزشتہ صفحات میں یہ بات مذکور ہو چکی کہ ''حکیم صاحب اہل حق کے تذکرے مرتب کرواتے رہے'' ___ قارئین کرام کے لیے یہ بات یقیناً باعث حیرت ہوگی کہ ۱۹۷۵ء (قیام پاکستان سے ۲۸ برس) تک سوادِ اعظم کی جانب سے کوئی تذکرہ سامنے نہ آیا تو ۱۹۷۶ء میں قائدِ اعظم کے صد سالہ جشن کے موقع پر ''اکابر تحریک پاکستان'' از محمد صادق قصوری، حکیم صاحب علیہ الرحمہ نے راقم کے مکتبہ کی جانب سے شائع کروائی، جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب[2] تھی۔ پھر اہل حق سے بے اعتنائی برتنے والوں اور وہ ناخدا جو بمصداق ع ___ ''سو گئے تھے پیشوا، چھوڑ کر خالی حرم'' کو خوابِ گراں سے جگانے کے لیے حکیم صاحب مرحوم نے ایک دوسرا تذکرہ۔ ''تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان'' مرتب کروایا۔ چنانچہ حکیم صاحب تذکرہ کے مرتب مولانا عبدالحکیم شرف قادری

(۱) ماہنامہ ''مہر و ماہ'' لاہور، (یادگار موسیٰ نمبر) جنوری۔ فروری ۲۰۰۰ء، ص ۸۵۔۸۶
ماہنامہ درویش، لاہور ستمبر ۲۰۰۰ء، ص ۵۴ اور ۵۵

(۲) ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ، لاہور جولائی ۱۹۷۶ء، ص ۱۲۵

کے نام اپنے ایک مراسلہ میں لکھتے ہیں۔

''معروض آنکہ مسودہ تذکرہ علمائے اہل سنت آپ کو مل چکا ہوگا۔ پیر کرم شاہ صاحب نے اسے پاس کر دیا ہے۔ تاکہ ہماری طرف سے دیر نہ ہو۔ اگر کچھ مزید حالات مل جائیں گے تو بطور ضمیمہ شامل کر دیے جائیں گے۔۔۔''

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جب مذکورہ تذکرہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۶ء میں منظر عام پر آیا تو اس کے صفحہ ۲۰ تا ۲۴ ''تقریب'' کے زیر عنوان حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے محققانہ قلم سے ایک معلومات افزا تحریر ہے، چونکہ تذکرہ کے بعد کی اشاعتوں طبع مکتبہ قادریہ لاہور میں مذکورہ وقیع ''تقریب'' شامل نہیں، لہٰذا استفادہ عام کے لیے ''تقریب'' سے بعض اقتباسات ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں جس میں حکیم صاحب علیہ الرحمہ رقم فرماتے ہیں۔

''برعظیم پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کا قیام اکابر اہل سنت کی مساعی سے ہوا، ظاہری فاتحین (سلاطین) اور باطنی فاتحین (صوفیہ کرام) سنی حنفی تھے، ان کے ساتھ جو علماء کرام تشریف لائے، ان میں بھی غالب اکثریت احناف کی تھی۔ حضرات صوفیہ اور فقہاء حنفیہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے فیضان سے یہاں شریعت و طریقت کا ایک حسین امتزاج پیدا ہو گیا تھا اور یہ مبارک فضا کئی سو سال تک قائم رہی، حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ نے اس نورانی فضا اور مبارک ماحول کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

خوشا ہندوستاں و رونق دیں
شریعت را کمال عز و تمکیں
ز علم باعمل دہلی بخارا
ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا

مسلمانِ نعمانی روشن خاص
ز دل ہر چار آئیں راہ باخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر بازید
جماعت را و سنت را بجاں صید

اس دورِ رحمت کے درمیان ایسے مواقع بھی آئے کہ بادشاہوں نے احناف کے مسلک و مذہب کے خلاف اپنے پسندیدہ مذاہب جاری کرنے کی کوششیں کیں مگر وہ بری طرح ناکام رہے۔ سلطان محمد بن تغلق (م:۷۵۲ھ) (جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ''نامرادانہ زیست'') کے عہد میں علامہ ابن تیمیہ کے ایک فاضل شاگرد عبدالعزیز اردبیلی ہندوستان آئے اور ان کی سلطان کے دربار میں بڑی پزیرائی ہوئی، ان کے ذریعہ سلطان، علامہ ابن تیمیہ کے نظریات سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے صوفیہ کرام کو ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، بالآخر اسے ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔

ہمایوں کو ایرانیوں کی امداد و اعانت سے دوبارہ تخت حکومت پر متمکن ہونے کا موقع ملا تو اس نے شیعہ علما و فضلا کی بڑی قدر و منزلت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں اہل اسلام کے مقابل ایک اور مستقل علاحدہ دین کی بنیاد پڑ گئی۔ پھر اکبری دور میں ابُو الفضل، فیضی اور ان کے والد ملا مبارک نے تقلید سے کنارہ کشی کرلی، ابُو الفضل نے اپنے والد کے بارے میں لکھا ہے:۔

''واز تقلید بر کنارہ، بندگی دلیل کردے'' (آئین اکبری)

ان غیر مقلد علما کے تعاون سے اکبر نے دینِ الٰہی کا فتنہ کھڑا کیا، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی (رحمہما اللہ تعالیٰ) کی مساعیِ جلیلہ وعظیمہ نے ان علماءِ سوء اور نصوصِ دین کے فتنوں کو

ہمیشہ کے لیے دفن کردیا۔ دینی تاریخ کے ایسے متعدد حادثات حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے علم میں تھے، لہٰذا انھوں نے ہند کے عوام کے لیے مذہب امام اعظم کی تقلید سے انحراف کو حرام قرار دیا۔ غرضکہ متحدہ ہندوستان میں ابنِ عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات پہنچنے تک یہاں صرف سنی اور شیعہ دو ''مذہب'' ہی نظر آتے ہیں جو فی الحقیقت دو مذہب نہیں، دو دین ہیں۔۔۔ اور آج سے ایک سو سال قبل تک پورے ہندوستان میں انھیں سلفی حنفی علما کا اثر تھا، سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کو حرام قرار دینے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔۔۔''

''تقریب'' کے آخر میں جناب حکیم صاحب تذکرہ کے مرتب کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:۔

''فاضل محترم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری زید شرفہٗ نے اپنی گراں قدر تالیف تذکرۂ اکابرِ اہلِ سنت، میں ان علماءِ کرام اور صوفیہ عظام کے حالات زندگی اور کمالات علمی تحریر کیے ہیں جو متحقق طور پر ان بزرگانِ دین کے صحیح جانشین یا نام لیوا ہیں، جن کی بدولت اس کفرستانِ ہند میں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔۔۔''

مندرجہ بالا اقتباسات کے بعد، کچھ تذکرہ حکیم صاحب کی تحریر کا ہو جائے، وہ اب شرف صاحب کی زبانی سنیے۔

''حکیم صاحب خود صاحب طرز ادیب، مایہ ناز محقق، بے مثال مورّخ، باوقار نقاد اور معلومات کا انسائیکلوپیڈیا ہیں، کشف المحجوب، مکتوبات امام ربانی، الطاف القدس، تذکرہ اکابر اہل سنت وغیر کتب پر ان کے گراں قدر مقدمے تحقیق اور جستجو کے شاہکار ہیں جن پر اہل علم نے انھیں بجا طور پر خراج

تحسین پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مجلسِ رضا کی طرف سے علمی، تحقیقی اور متین لٹریچر پیش کر کے انھوں نے فکر و نظر کی دنیا میں انقلاب بپا کر دیا ہے۔ آج ایک دنیا ان کی خدمات کو تحسین اور ستائش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔''

لیکن با ایں ہمہ افسوس اور صد حیف کہ تذکرہ اکابر اہل سنت مرتبہ محمد عبدالحکیم شرف قادری طبع دوم و سوم میں جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا، میں (اور اب تذکرہ کی اشاعت چہارم، فرید بک سٹال لاہور مطبوعہ ۱۹۹۹ء میں بھی) مذکور بالا ''تقریب'' شامل نہیں۔ اور اس بات نے لامحالہ اب ہر خاص و عام کو ایک مخمصہ میں ڈال دیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ دسمبر ۱۹۸۴ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور نے اپنے سلسلہ کی ۶۷ ویں کتاب ''امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم'' کے نام سے شائع کی تھی جو محمد جلال الدین صاحب قادری کی تالیف ہے، لیکن یہ واقعہ بڑا تکلیف دہ اور شرمناک ہے کہ ۱۹۹۸ء میں جب اس کا دوسرا ایڈیشن رضا دار الاشاعت لاہور ایک تجارتی ادارہ کی جانب سے اشاعت پزیر ہوا، اس ادارہ کو مرکزی مجلس رضا لاہور کے سابق خازن حاجی مقبول احمد قادری ضیائی چلا رہے ہیں، نے حکیم محمد موسیٰ صاحب کے ایک ''معتمد'' مولوی منشا تابش قصوری، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے ایما پر اصل کتاب سے نو صفحات کی ''تقدیم'' وغیرہ محض اس لیے غائب کر دی[1] تا کہ اس

(۱) یہ کوئی محض الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف کی ''کاٹ چھانٹ کی مہارت'' کی گواہی دیتے ہوئے مولانا عبدالحکیم شرف قادری ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:
''مولانا محمد منشا تابش قصوری رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام طبع ہونے والے مقالات کو چیک کرتے ہیں، ان کی تراش خراش (؟) کرتے ہیں، کمپوز کرواتے ہیں۔ پھر پروف ریڈنگ کرتے ہیں، کاپیاں جوڑتے ہیں اور کتاب تیار کر کے حاجی صاحب کے سپرد کر دیتے ہیں۔''
(بحوالہ ''محسن اہلسنت'' ص ۱۵۲)

بطلِ جلیل، مرکزی مجلس رضا اور اس کے بانی اور سرپرست حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ کو فراموش کیا جا سکے۔ اس ارادی دھاندلی کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے[1]۔ یہ جسارت دانستہ اور شعوری ہے جس سے نہ صرف کتاب کے مولف کا امیج خراب کیا گیا ہے۔[2] بلکہ حکیم صاحب کے ارادت مندوں کے جذبات کو بھی مجروح کیا گیا ہے ___ لیکن ع ''اب ہم کس کی بات کریں اور کس کو یاد دلائیں'' کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے مرکزی مجلس رضا کے پلیٹ فارم ہی سے نہیں بلکہ جہاں تک ممکن تھا، ہر فورم سے اہل سنت کی خدمت سرانجام دینے کے غرض سے اور اس کے وقار کو بلند کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وقف کیے رکھا اور ان لوگوں کو بھلا کیا خبر۔

آسیؔ شہید ہوں مردہ نہ جانیو
مر کر ملی ہے زندگیِ جاوداں مجھے

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں قارئین نے یہ بات ملاحظہ فرمائی کہ حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ نے اہل سنت کے ترجمان ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کی اشاعت و ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا، حکیم اہل سنت کی متذکرہ کاوش یقیناً قابل صد ستائش ہے، لیکن یہ بات کسی المیہ سے کم نہیں کہ مذکورہ رسالہ اور دیگر سنّی رسائل۔ مثلاً ماہنامہ سیدھا راستہ، ماہنامہ ندائے اہلسنت اور ماہنامہ عرفات لاہور، ماہنامہ نور اسلام شرقپور، ماہنامہ انوار الفرید ساہیوال، ماہنامہ الجامعہ جھنگ اور ماہنامہ اہل سنت انٹرنیشنل،

(۱) اور وہ لوگ جنھوں نے حکیم صاحب علیہ الرحمہ سے بے وفائی کی اور مرکزی مجلس رضا کا ناحق خون کیا وہ اپنے انجام کو کب نہیں پہنچیں گے!۔۔۔ جوں جوں لوگ ان حالات و واقعات سے آگاہ ہوتے چلے جائیں گے تو وہ ہر ''محسن کش'' کا چہرہ پڑھ لیں گے۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: مختار جاوید منہاس، مضمون ''چہ دلاور است دزدے'' مشمولہ: ماہنامہ مہر ماہ، لاہور (یادگار موسیٰ نمبر) جنوری۔ فروری ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۱۔۱۳۵

گجرات نے بھی حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے سانحہ ارتحال پر کوئی تعزیتی شذرہ کیا قلم بند کرنا تھا ایک سطر تک نہ لکھی جسے مسطور بالا مدیرانِ جرائد کی بے حسی اور محسن کشی ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے ـــــ مگر مدیر جہانِ رضا کی بے خبری ملاحظہ ہو، وہ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے زیر عنوان ''اے کلیم وادیٔ احمد رضا'' یوں رقم فرماتے ہیں گویا گمان ہوتا ہے کہ وہ ایسے ناشکرے اور احسان فراموش مدیرانِ رسائل و جرائد کی جانب سے ''وکیل صفائی'' کا کردار ادا کر رہے ہیں، ماہنامہ ''جہانِ رضا'' لاہور شمارہ جنوری، فروری ۲۰۰۰ء سے ذیل میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''پچھلے دنوں مرکزی مجلس رضا کے بانی۔ حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔۔۔۔ اخبارات، رسالوں، ماہناموں نے اپنے اپنے کالموں میں اس درویش کی موت پر اداریے لکھے۔''

حدیث شریف میں ہے مَنْ لَّمْ يَشْكُرُ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرُ اللهَ ''جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکر ادا نہ کیا''۔ اس لیے بندوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے ـــــ لیکن بقول شخصے، ایسے ان حاسدین کی قسمت یا پھر کسی کم فہم و کم ظرف کے نصیب میں کہاں کہ وہ اس مرد درویش اور دانائے راز، فقر غیور اور عشق خود آگاہ کے حقیقی نقیب کے بارے ایک لفظ بھی لکھ سکیں اور بقول شاعر:

آج کل باغِ جہاں کی ہے ہوا بدلی ہوئی
رنگِ گل بدلا ہوا بُوئے وفا بدلی ہوئی

یوں بعض مدیرانِ جرائد جو حق و صداقت کے علمبردار اور فقر غیور کے دعویدار بھی ہیں آج ان حکمرانوں کو یاد فرما رہے جن کے عہد میں کئی مساجد اور مزارات کو شہید کیا گیا، ان کے پہلے دور حکومت میں کویت عراق جنگ (فروری ۱۹۹۱ء) کے دوران میں امریکی جنگی جہاز کراچی سے اڑ کر نجف اشرف اور بغداد شریف پر بمب باری کرتے رہے، سندھی اور

غیر سندھی ایسے لایعنی نعرے بلند ہوئے، گرفتار قیدی، پولیس مقابلہ کے نام پر عدالتوں سے ماورا پولیس کے ہاتھوں مارے گئے، گستاخ رسول کی سزا کا مقدمہ واپس لینے کی سعی کی گئی، دہشت گردوں اور مسلمانوں کا خون ناحق بہانے والی تنظیموں کی حوصلہ افزائی ہوئی، سود کی حرمت کے خلاف سپریم کوٹ میں نواز شریف حکومت نے اپیل دائر کی تا کہ سودی نظام برقرار رہے، ان گنت افراد فاقہ کشی کے باعث خودکشیوں اور خودسوزیوں کا شکار ہوئے، لیکن ان کے اپنے شب و روز ملکی دولت سمیٹنے کے لیے بسر ہوئے، کارگل میں کشمیر کے شہداء سے بے وفائی کی ـــــ

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا کہ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' نے حکیم صاحب کے وصال پر کوئی ادارتی نوٹ وغیرہ قلم بند نہ کیا البتہ مذکور بالا حکمرانوں کے لیے ''سردلبراں'' کے صفحات میں ان کا اضطراب قابل ملاحظہ ہے۔ مذکورہ ماہنامہ کے شمارہ جنوری ۲۰۰۰ء سے ایک اقتباس دیکھیے جس میں پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب مدیر اعلیٰ لکھتے ہیں:

''مقتدرہ قوت (یعنی آرمی چیف) کی طرف سے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد پاکستان مسلم لیگ کی صفِ اول کی قیادت کو جس طرح جیلوں میں بند کیا گیا ہے۔ اور جس انداز میں انھیں جسمانی و ذہنی کرب میں مبتلا کر کے دل آزارو صبر آزما مقدمات سے دوچار کیا جا رہا ہے یقیناً یہ بہت بڑی زیادتی ہے، لیکن پھر بھی یہ شخصی سزائیں ہیں نامعلوم کتنی دیر رہیں گی۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔ کون جانتا ہے۔ کل کلاں اس کا رخ کس سمت ہو گا لیکن اس سے بھی بڑی زیادتی۔۔۔ کہ ہمیں اسلامی نظام کے عملی نفاذ سے محروم کر دیا ہے۔''(؟)

پھر آگے چل کر اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ کسی کے دل میں کوئی احتمال ہی نہ ہو پائے، لیکن مدیر اعلیٰ موصوف کی ''قربت شاہی'' کی ایک ادنیٰ جھلک، قارئین ذیل کے اقتباس میں ملاحظہ فرمائیں:

"قارئین! آپ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ضیائے حرم کا یہ کالم کبھی بھی خوشامد پرستی یا کاسہ لیسی کا روادار نہیں رہا۔۔۔ضیائے حرم کی تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے ہر دور میں جو حق سمجھا اسے کھل کر بیان کر دیا۔۔۔میں مسلم لیگ کی اس قیادت کو بہت نزدیک سے جانتا ہوں جو اس وقت ابتلا و آزمائش سے گزر رہی ہے۔۔۔متذکرہ قیادت اپنے اس تازہ دورِ اقتدار میں اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے دلی طور پر مخلص تھی اور اس راہ میں حائل تکنیکی روکاوٹوں کو اس تناظر میں دور کرنے کے لیے مصروفِ عمل تھی۔۔۔ اگر اسے مارچ (مارچ ۲۰۰۰ء) تک مہلت مل جاتی تو پاکستانی عوام یقیناً یہ مژدہ جاں فزا سنتے کہ پاکستان کا مقدر صرف اور صرف اسلام ہے۔۔۔"

آگے جانے سے پہلے اگر ہم حال ہی میں شائع ہونے والی ایک اہم کتاب "کوڑھ کی کاشت"[۱] (مطبوعہ شفیق پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۰ء) جس میں ۱۹۸۰ء کے بعد پاکستان کے لٹنے کی درد بھری داستان بیان کی گئی ہے، سے ذیل میں ایک اقتباس درج کرتے چلیں تو مذکور بالا اقتباس میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے محض لگائے جانے والے دل خوش کن نعرہ کو اجاگر کرنے کے لیے (یا پھر ع: "جب رنج دیا بتوں نے تو خدا یاد آیا" کے مصداق) کی جانے والی متذکرہ "صحافتی سعی" کی حقیقت کو سمجھنے میں مدد ملے گی، کتاب کے مصنف ڈاکٹر حقی حق لکھتے ہیں:

"ہمارے ہاں معاشرتی برائیوں کو پروان چڑھانے میں اگر صحافت نے سب سے بڑا کردار ادا نہیں کیا تو کم از کم بہت بڑا کردار ضرور ادا کیا ہے۔

(۱) "کوڑھ کی کاشت" میں ڈاکٹر حقی حق نے بڑی تحقیق و عرق ریزی سے ایسے تمام حقائق مجتمع کیے ہیں جو وطن کے ان سپوتوں (جن میں علما، سیاستدان، جاگیردار، بیوروکریٹس اور فوجی افسران بھی شامل ہیں) کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس کس طرح انھوں نے اس دھرتی کے خون کو چوسا اور کس کس طرح اس دھرتی کو کوڑھ زدہ کیا۔

صحافت سے قوم کی فکری رہنمائی کی جو عمومی توقع ہر معاشرہ میں مروج ہے، ہمارے ہاں اس کے بالکل الٹ ہے یعنی قوم کی فکری رہنمائی کو (ایسی) صحافت سے محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔۔۔ جانب داری اور دھڑے بندی صحافت کی صریحاً موت ہے جو ہمارے ہاں یقیناً کبھی کی واقع ہو چکی ہے، لیکن ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہے"۔[۱]

موجودہ دور میں متذکرہ بالا صحافت ہمارے ہاں کیوں اور کس طرح در آئی کہ وہ حکمران جو درحقیقت قومی مجرم ہیں انھی سے اسلامی نظام کے نفاذ (؟) کی آخر ہم توقع کیوں کر رہے ہیں، اس سوال کا جواب محولہ بالا کتاب میں مل جاتا ہے ــــــ ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:

"لاعلمی، غیر پیشہ ورانہ اپروچ اور لالچ نے حق بات کہنے کا حوصلہ سلب کر رکھا ہے۔۔۔ میاں نواز شریف وزیراعظم پاکستان میں کوئی اور وصف ہو یا نہ ہو مگر ان کی اس صلاحیت کا ایک عالم معترف ہے کہ میاں صاحب بکاؤ مال، بدعنوان اور نادہندہ کو طاقتور میگنٹ کی طرح اپنی طرف کھینچتے ہیں اور مرغی کی طرح اپنے پروں میں اپنے سایہ عافیت میں چھپا لیتے ہیں۔ میاں صاحب کو سکریپ میں چونکہ ہر طرح کا مال خریدنے کی عادت اور تجربہ ہے جو سیاست میں بھی ان کے بہت کام آیا جونہی وہ وزیر اعلیٰ پنجاب مقرر ہوئے انھوں نے ہر طرح کے سیاسی سکریپ میں سرمایہ کاری شروع کر دی۔ ان کے صوابدیدی فنڈ سے مستفیض ہونے والے بکاؤ مال کا ہراول دستہ صحافتی ہی تھا گو کہ صحافت میں میاں صاحب کی سرمایہ کاری اربوں کی ہے مگر پردے داری اور آنکھ کی شرم بھی آخر کوئی چیز ہے۔

(۱) کوڑھ کی کاشت از ڈاکٹر حقی حق، مطبوعہ لاہور جنوری ۲۰۰۰ء، اشاعت اول، ص ۲۷۵

میاں صاحب کو اسلامی اقدار اور تجارتی اصولوں کا بڑا پکا پایا گیا ہے وہ
اس طرح دیتے ہیں کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہونے دیتے کہ کس کو کیا دیا،
چیک دیں گے، کس کو کتنے میں خریدا اور کیا کتنے میں بیچیں گے۔"[1]

ماہنامہ ضیائے حرم کے مندرج بالا اقتباس کی بنا پر اگر حقیقت حال سے کوئی نابلد و ناآشنا قاری وہی رائے (جو اس کے مدیر اعلیٰ نے مسلط کرنے کی کوشش کی ہے) قائم کر کے راست روی کے بجائے کج روی کا شکار ہو سکتا ہے اس لیے اس کی وضاحت ضروری سمجھی گئی ____ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور نے آج سے تیس سال قبل جب اپنے سفر کا آغاز کیا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایک وقت اس راستہ پر چل نکلے گا جہاں خلوص اور صداقت مفقود، خود غرضی اور مصلحت کوشی ذاتی اور اجتماعی شعار ہوں، ایسی صورت حال میں حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہرگز اس کے ساتھ تعاون نہ فرماتے ___ دھیان رہے کہ ماہنامہ ضیائے حرم میں اس تبدیلی کا آغاز قریب قریب انھی دنوں ہوا جب علماء کرام کو دینی مدارس کے نام پر[2] ضیاء الحق کے قائم کردہ بیت المال سرکاری زکوٰۃ فنڈ سے نوازا جانے لگا۔ حکیم صاحب مرحوم و مغفور نے مذکورہ فنڈ کو "مولوی پالتو فنڈ" قرار دیا تھا، اس فنڈ نے کیا کیا گل کھلائے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ___ میاں نواز شریف ۱۸۔ اپریل ۱۹۹۳ء کو وزارتِ عظمیٰ سے جب پہلی دفعہ معزول ہوئے، تو مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازی

(۱) کوڑھ کی کاشت، ص ۲۸۵

(۲) "ضیا صاحب نے اپنے لیے راہیں ہموار کرنے اور دینی حلقوں میں اپنی Constituency (رائے) بنانے کے لیے دینی مدارس کو بھاری بھر کر (بھرکم) زکوٰۃ دینی شروع کر دی تھی۔ چودہ چودہ لاکھ کے چیک جاری کیے جانے لگے اور جو رقوم وصول کر رہے تھے، وہ منبروں پر بیٹھ کر ضیا صاحب کے خلاف کیسے منہ کھول سکتے تھے؟" (ریاض حسین شاہ، سید۔ انٹرویو بحوالہ اخبار اہلسنت، لاہور۔ خصوصی اشاعت انٹرنیشنل سنی کانفرنس منعقدہ ملتان یکم تا ۲۔ اپریل ۲۰۰۰ء، ص ۸ بعنوان "ہمارے سید صاحب" از تنویر قیصر شاہد)

جو اس وقت برسر اقتدار جماعت مسلم لیگ کے اتحادی تھے (اور جو تادم آخر معزول وزیر اعظم کے ساتھ رہے) نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ میاں صاحب کو اگر مزید چند ماہ مل جاتے تو ملک عزیز میں وہ یقیناً شریعت نافذ کر چکے ہوتے۔[1] اور آج ضیائے حرم کے مدیر محترم بھی اپنے موقر جریدہ کی وساطت سے پاکستانی عوام کو بعینہ جاں فزا نوید سنانے کی سعی بلیغ انجام دے رہے ہیں ظاہر ہے کہ مدیر موصوف کے ہم راز و ہم خیال پیرانِ عظام اور علما کو تو یہ حسرت ہی رہے گی کہ میاں صاحب موصوف کے ہاتھوں نفاذ شریعت کا مقدس فریضہ انجام نہ دیا جا سکا اور وہ اور ان کی جماعت ایسے "امیر المومنین" سے محروم ہو گئی جو عبرت کا نشان بن چکا، لیکن ایک ہم ہیں کہ علامۃ الناس کو اب یہ یقین دلانے کہ ___ اقتدار سے محروم ہونے والی مذکورہ حکومت "اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے دلی طور پر مخلص تھی" کے جشن کر رہے ہیں! ___ اور ان حکمرانوں کے ساتھ گزاری ہوئی چند گھڑیاں ہمیں یاد آ رہی ہیں اور ساتھ ان کی نوازشات بھی، یہاں تک کہ اٹل قانونِ خداوندی بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ___ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔[2] وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا)۔[3]

(۱) اقتدار و اختیار کی چپقلش کے نتیجہ میں جب صدر اسحاق خان نے نواز شریف کو برطرف کیا تو یار لوگوں نے کہا کہ "نواز شریف کا جرم یہ تھا کہ اس نے پاکستان میں شریعت کی بالادستی قائم کی"۔ ع۔۔۔ تفو برتو اے چرخ گرداں تفو۔ پھر یہ کہا گیا کہ اسمبلی مزید کچھ دیر نہ ٹوٹتی تو پاکستان میں شریعت کی بالادستی قائم ہو چکی ہوتی"۔ (محمد اشفاق چغتائی، پروفیسر۔ اقتباس از قلمی خط بنام مولانا عبدالستار خان نیازی بعنوان "برائیوں کا انتخاب" ص ۲)

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ البقر، ۲۵۱

(۳) "یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کا انتظام برقرار رکھنے کے لیے یہ ضابطہ بنا رکھا ہے کہ وہ انسانوں کے مختلف گروہوں کو ایک حدِ خاص تک تو زمین میں غلبہ و طاقت حاصل کرنے دیتا ہے، مگر جب کوئی

وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ [1] (اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں)۔

عربی زبان کا مقولہ ہے کہ اَلْحَقُّ مُرٌّ وَّلَوْ کَانَ دُرٌّ (سچی بات کڑوی ہوتی ہے گرچہ موتیوں جیسی کیوں نہ ہو) ممکن ہے کہ قارئین کرام میں سے اوپر دیے جانے والے حقائق وشواہد کسی پر ناگوار گزریں۔ خیال رہے کہ کسی کی دل شکنی یاں ہرگز مقصود نہیں، لیکن اتنا عرض کرنا ضرور ہے کہ حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مسند ارشاد پر فائز اہل علم کو اس مقام پر دیکھنا چاہتے تھے جس طرح کہ اہلِ حق کے ترجمان حضرت ابو المحامد سیّد محمد محدث کچھ چھوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۴ء۔ ۱۹۶۱ء) اپنے ایک مشہور خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

> "دنیا کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس طبقہ نے عالمگیر وجہانگیر کی تلواروں پر حکومت کی، عباسیوں کی جلالت پر اپنے اقتدار کا پرچم لہرایا یعنی علماءِ حق، وہ نہ کسی مغرور کے دبائے دبتے ہیں نہ کسی شکی وہمی سے الجھتے ہیں نہ کسی بد زبان بے لگام کو پرکاہ برابر سمجھتے ہیں وہ صرف اپنے خدا سے ڈرتے ہیں حق گو ہیں حق پرست ہیں اور صرف حق کا اقتدار چاہتے ہیں"۔ [2]

بالیقین یہ شان تو علماءِ ربانیین کی ہے، جو اوپر دیے جانے والے اقتباس میں جھلک رہی ہے ___ خود باری تعالیٰ بھی ان کے حق میں ارشاد فرما رہا ہے کہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا [3] (اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

گروہ حد سے بڑھنے لگتا ہے، تو کسی دوسرے گروہ کے ذریعے سے اس کا زور توڑ دیتا ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ ایک قوم اور ایک پارٹی ہی کا اقتدار زمین میں ہمیشہ قائم رکھا جاتا اور اس کی قہرمانی لازوال ہوتی، تو یقیناً ملک خدا میں فسادِ عظیم برپا ہو جاتا۔" (حاشیہ تفہیم القرآن)

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ آل عمران، ۱۴۰

(۲) خطبہ صدارت، جمہوریۃ اسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ اہل سنت برقی پریس مراد آباد ۱۹۴۶ء، ص ۲۵

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ فاطر، ۲۸

لیکن ہمارے وطن عزیز میں علماء ربانیین کی جماعت کے نام لیوا اس کے برعکس جو کچھ کر رہے ہیں وہ بڑا شرمناک ہے، ماضی قریب ہی کے بعض واقعات کا جائزہ لیے بغیر بات نامکمل رہے گی۔ مثلاً پاکستان کے سابق صدر جناب غلام اسحاق خان (۱۷۔اگست ۱۹۸۸ء تا ۱۹۔ جولائی ۱۹۹۳ء) نے ۱۹۹۳ء میں جب قومی اسمبلی توڑی، تو میاں نواز شریف کے الیکشن کمپین کے لیے تنظیم المدارس پاکستان کے علماءِ کرام نے میاں صاحب کے زیر صدارت، میں لاہور بمقام شملہ پہاڑی، میٹرو مارٹ (موجودہ نادرا) میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ جلسہ کے غرض و غایت ناظمین مدارس کی طرف سے نواز شریف کی حمایت تھی۔ مذکورہ جلسہ (کنونشن) کا تمام اہتمام ناظم شعبہ امتحانات تنظیم المدارس پاکستان مولانا غام محمد سیالوی کے سپرد تھا (یاد رہے کہ مولانا سیالوی موصوف وہی صاحب ہیں جو بعد میں نواز شریف کے آخری دور (۱۷۔فروری ۱۹۹۷ء تا ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۹۹ء) میں پاکستان بیت المال کے چیئرمین بنائے گئے) مذکورہ کنونشن میں علما نے میاں نواز شریف کے ہاتھ چوم کر اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا۔ جب دیکھا دیکھی اسٹیج پر علماء کرام زیادہ اکٹھے ہوئے تو پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شہتاز اور کراچی ہی کے پروفیسر منیب الرحمن ہزاروی، سابق موجودہ چیئرمین رویت ہلال کمیٹی نے خدا کے واسطے دے کر اسٹیج کے اردگرد جمع ہونے والے پاکستان کے دینی مدارس کی تنظیم کے علما کو بٹھایا ___ نیز ایک سابق وزیر اعلیٰ پنجاب منظور احمد وٹو کی خواہش پر ۱۹۹۴ء میں لاہور کے آواری ہوٹل میں پاکستان مشائخ کنونشن کا انعقاد کیا گیا، صدر مجلس کانفرنس السید یوسف السید ہاشم الرفاعی تھے، محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم پاکستان کی حمایت میں مشائخ عظام جمع ہوئے ___ پاکستان بھر کے مشائخ کو اکٹھا کرنے کا اہتمام پیر سید منور حسین شاہ جماعتی کے سپرد تھا جن پر سرکاری خزانہ کا منہ کھول دیا گیا۔ کھانا تناول کرنے کے بعد مذکورہ اجلاس میں شمولیت کرنے والے علماء و مشائخ کی پانچ صدر روپے فی کس کے حساب سے خدمت کی گئی۔

بڑھو، بندگانِ زمانہ بڑھو بندگان درہم
تمھیں زندگی سے کوئی ربط باقی نہیں
کہ یہ سادہ دل
نہ اہلِ صلٰوہ اور نہ اہلِ شراب
نہ اہلِ ادب اور نہ اہلِ حساب
نہ اہلِ کتاب
نہ اہلِ کتاب اور نہ اہلِ مشین
نہ اہلِ خلا اور نہ اہلِ زمین
فقط بے یقین

لگے ہاتھوں ایک اور واقعہ سنتے جایئے، جسے حکیم صاحب نے بیان کیا۔ جنوری ۱۹۹۸ء کی بات ہے کہ راقم، حکیم صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، جمعیۃ العلماء کے حوالے سے (جواب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوکر مزید گروپوں میں تقسیم ہوچکی) باتیں ہونے لگیں، حکیم صاحب علیہ الرحمہ فرمانے لگے کہ ''میرے پاس تواب کوئی خاص ملنے والا نہیں آتا، چندروز ہوئے فیصل آباد سے بعض احباب آئے تھے انھوں نے بیان کیا کہ وہاں کسی مزار شریف کا مسئلہ تھا جس کا فیصلہ آخر کار صوبائی محکمہ اوقاف نے کرنا تھا، یہ معاملہ جب وزیر اوقاف پنجاب جن کا تعلق بھی فیصل آباد ہی سے تھا، کے ہاں متعلقہ درگاہ کا معاملہ پیش ہوا تو اس وقت کے صوبائی وزیر اوقاف جو حاجی صاحب اور صاحبزادہ کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں، پاکستان میں رائج الوقت ''نظریہ مک مکا'' کے تحت مزار شریف کی آمدنی سے اپنے لیے Monthly ماہوار رقم مقرر کروالی''۔ اور غالباً یوں اس درگاہ کا محکمہ اوقاف کی تحویل وغیرہ کا خطرہ ٹل گیا ہوگا! (تہ غیر یسیر بقدر حافظہ) ؎

یہی ہیں وہ نسلیں مبارک ہماری
کہ بخشیں گی جو دین کو استواری

کریں گی یہی قوم کی غمگساری
انھی پر امیدیں ہیں موقوف ساری
یہی شمعِ اسلام روشن کریں گی
بڑوں کا یہی نام روشن کریں گی

اب گزشتہ دنوں روزنامہ ''آواز'' لاہور کی اشاعت مورّخہ ۵۔ دسمبر ۱۹۹۹ء صفحہ آخر، کالم اول میں ہمارے ممدوح سابق وزیر اوقاف کے بارے زیر عنوان ''مسجدوں کی آڑ میں سرکاری زمینوں پر پنجاب کے سابق وزیر اوقاف کے قبضے کا انکشاف'' جو خبر شائع ہوئی ذیل میں من وعن درج کی جارہی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

''فیصل آباد (کے پی آئی) معزول وزیر اعظم نواز شریف کے دور حکومت میں پنجاب کے وزیر اوقاف صاحبزادہ فضل کریم قبضہ گروپوں کی سرپرستی کرتے رہے۔ باوثوق ذرائع کے مطابق صاحبزادہ فضل کریم نے سرسید ٹاؤن میں سپر مارکیٹ کے لیے وقف ۱۰۰ کینال (کنال) زمین پر راتوں رات قبضہ کر کے مسجد کی بنیاد ڈال کر وہاں متعدد دوکانیں تعمیر کرڈالیں اور ساتھ ہی مسجد و مدرسہ کی تعمیر شروع کردی۔ محلّہ مدنپورہ میں حکیم احسان اللہ خلیل کی ذاتی زمین پر تعمیر شدہ جامع مسجد اور ملحقہ آٹھ دوکانوں کے تالے تڑوا کر ان پر زبردستی قبضہ کرلیا جبکہ جھنگ بازار میں ایک بیوہ کی زمین پر مبینہ طور پر قبضہ کرایا''۔[(۱)]

(۱) یقینا ع۔۔۔ ''ارباب نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز'' اور بقول زاہد مسعود۔۔۔۔ ''کافی سارے ایسے مولوی حضرات، مسلم لیگ کے علماء ومشائخ ونگوں میں بھی گھسے ہوئے نظر آرہے ہیں جن کے کارنامے بلکہ کرتوتیں آئے دن اخبارات میں شائع ہورہی ہیں''۔ (دیکھیے: روزنامہ دن، لاہور ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء کالم۔ کہا سنا معاف بعنوان ''حالات حاضرہ وناظرہ'')

پیرانِ حرم کرتے ہیں اصنام پرستی
ہر سیم کا بُت ہے انھیں ایمان سے پیارا
فریاد ہے فریاد ہے اے رسولِ ﷺ عربی
تاراج ہوا جاتا ہے گلستاں ہمارا

محمد احمد بیان کرتے ہیں کہ ان ایام میں جب (پیر) سید ریاض حسن شاہ صاحب راولپنڈی کی خطابت کو خیر باد کہہ کر شریف فیملی کی تعمیر کردہ جامع مسجد ماڈل ٹاؤن میں خطبہ دینے کے لیے لاہور آنا چاہتے تھے۔ مَیں حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری (علیہ الرحمہ) کے مطب میں حاضر ہوا تا کہ اس سلسلہ میں ان کی رائے معلوم کی جا سکے، حکیم صاحب نے بڑی دل لگتی بات کہی، فرمانے لگے کہ کچھ لوگ بٹیر پال ہوتے ہیں اور کچھ لوگ کتے پال ہوتے ہیں علیٰ ہذا القیاس نواز شریف خاندان[1] ''مولوی پال'' ہے۔۔۔۔!!!

کہا گیا ہے 'خیال' کی عظمت سے کسے انکار ہے؟ قوموں کی آبادی و بربادی اسی 'خیال' کی کج روی و راست روی پر منحصر ہے، اس لیے پھر کیا ہوا؟ ___ پاکستان کی مذہبی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جوں جوں یہ مذہبی راہنما وقت کے حکمرانوں کے قریب ہوتے گئے توں توں یہ حضرات عوام کے دلوں سے دور ہٹتے چلے گئے جس کا اندازہ اس بات

(۱) ''شریف خاندان کو سید صاحب نے بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ ان کا مشاہدہ بھی ماشاء اللہ گہرا ہے۔ مگر وہ اپنے مشاہدات میں کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتے۔ اس ضمن میں سوال کرنے پر چپ سادھ لیتے ہیں۔ اصرار کرنے پر جناب سید ریاض حسین شاہ بتاتے ہیں ''وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کی مسجد میں آ کر مجھے اس حوالے سے نقصان ہوا ہے کہ میرا سیاسی کیریئر تباہ ہو گیا ہے''۔ (تنویر قیصر شاہد، انٹرویو ریاض حسین شاہ زیر عنوان ''ہمارے سید صاحب''، بحوالہ اخبار اہل سنت لاہور۔ خصوصی اشاعت، مطبوعہ مارچ ۲۰۰۰ء، ص ۸ اور ۵۵) ___ کیا ہمارے سید صاحب موصوف (جو مفسر قرآن، مفکر اسلام بھی ہیں) کی سیاست دین سے جدا ہے؟ ___ لیکن بمصداق ع کچھ شک نہیں کہ حضرتِ واعظ ہیں خوب شخص، یہ حقیقت ہے کہ ایسا انسان کبھی مسلمانوں کا قائد نہیں ہو سکتا۔

سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ماڈل ٹاؤن لاہور کی جامع مسجد میں قدم رنجہ فرمانے سے قبل شاہ صاحب موصوف نے جب ۱۶۔ نومبر ۱۹۸۸ء کو پہلی بار راولپنڈی کی نشست قومی اسمبلی حلقہ نمبر ۳۹ سے (پاکستان عوامی اتحاد[1] کے ٹکٹ پر) الیکشن لڑا تو انھوں نے ۳۸۹۹۶ ووٹ حاصل کیے[2] اور جب شریف فیملی کی مسجد کی خطابت کے دوران میں مذکورہ سیٹ سے الیکشن (منعقدہ ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء) میں حصہ لیا تو اس وقت صرف ۴ ہزار ووٹ حاصل کیے اور شاہ صاحب کی ''قربتِ شاہی'' نے ان کی اپنی مقبولیت کا گراف یوں ہی تیزی سے گرایا ___ بہر کیف حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بہت صائب[3] تھی کہ ہمارے مذہبی راہنماؤں کو حکمرانوں سے اپنے کو دور ہی رکھنا چاہیے اور اس لیے اہل اللہ، عمر بھر اسی پر عمل پیرا رہے ___ حکیم صاحب ایک صحیح الفکر راہنما تھے، اس لیے جہاں وہ دینی راہنمائی کا فریضہ سر انجام دیتے وہاں وہ وقتاً فوقتاً ملکی حالات پر بھی اظہار خیال فرماتے، وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی سیاست دین سے جدا نہیں ہے۔

ع: جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

محمد احمد موصوف بیان کرتے ہیں کہ جب ضیاء الحق کے دور میں غیر سیاسی بلدیاتی انتخابات ہوئے تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ اب مذہبی جماعتوں کا جنازہ نکل جائے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

(۱) ''۱۹۸۸ء کے انتخابات میں انھوں (مولانا شاہ احمد نورانی) نے ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خاں اور مسٹر محمد خاں جونیجو سے مل کر پاکستان عوامی اتحاد کے نام سے نیا انتخابی اتحاد قائم کیا مگر مسٹر جونیجو اس اتحاد سے نکل گئے''۔ (طارق اسماعیل۔ ''الیکشن ۸۸ء'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۳۸۱)

(۲) ''الیکشن ۸۸ء'' از طارق اسماعیل ساگر مطبوعہ مکتبہ نوائے وقت لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۴۴۰

(۳) اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ (مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ حکومت کے کاسہ لیس مولویوں کے کردار سے بہت زیادہ بیزار تھے۔حکیم صاحب کا ایمان تھا کہ پاکستان جن مقاصد کے لیے قائم ہوا تھا، ان مقاصد سے جان بوجھ کر غداری کی گئی ہے [1] ،اس لیے وہ پاکستانی حکمرانوں کے کردار کو ناپسند کرتے تھے۔ایک ملاقات میں راقم سے فرمایا کہ میں لاہور کے ان قاتلوں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں جنھیں ہمارے ملک کے ایک منتخب وزیراعظم نے (ان قاتلوں کو) پولیس میں بھرتی کروایا ____ ایک طرف مذکورہ حکمرانوں کے لیے ''بندگان سیم وزر'' کی قصیدہ خوانی اور عقیدت کیشی کے مناظر دیکھیے! ____ اور دوسری جانب حکیم صاحب علیہ الرحمہ کے خیالات کا جائزہ لیجیے ____ !!!

ع ____ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

یعنی دیکھ رستوں کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

حضرت حکیم صاحب (اعلیٰ اللہ مقامہٗ) چونکہ علماءِ ربانیین کے مخلص خادم تھے، اس لیے وہ اکثر اہلِ حق کا تذکرہ فرماتے رہتے،اپنے ایک مضمون ''کچھ باتیں۔کچھ یادیں'' میں اہلِ حق کے قافلہ کے بعض علماء متاخرین کا ذکر وہ بڑے ادب و احترام سے کرتے ہیں جن سے ان اکابر کی شخصیت بہت ہی تابناک معلوم ہوتی ہے حکیم صاحب مذکورہ مضمون میں لکھتے ہیں۔

''دولتِ خداداد پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے وقت تک برعظیم پاک و ہند کے قریہ قریہ میں جید علمائے حق موجود تھے اور اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کو فیض یاب کرتے رہے مگر اہلِ سنت کی شومیِ قسمت کہ وہ علمائے حق

(۱) ماہنامہ ''مہر و ماہ'' لاہور (یادگار موسیٰ نمبر) جنوری۔فروری ۲۰۰۰ء،ص ۷۶

یکے بعد دیگرے عازمِ خلد بریں ہوتے چلے گئے۔ان میں سے بہت سے حضرات بجا طور پر علم کے ہمالہ تھے مگر شہرت ان پر فریفتہ نہیں تھی، لہٰذا ان کا تعارف صرف حلقۂ علما تک محدود رہا۔

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، چشتی، اشرفی، امیر حزب الاحناف، لاہور (رحمۃ اللہ علیہ) اور غزالی زماں، رازیِ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی چشتی، صابری، قادری بانی انوار العلوم، ملتان (رحمۃ اللہ علیہ) ان بزرگوں میں سے ہیں، جو علم و فضل کے بحرِ زخار اور دریائے معرفت کے شناور تھے،شہرت ان پر ایسی عاشق و شیدا تھی کہ ہر وقت ان کے دروازوں پر دربانی کے فرائض سرانجام دیتی تھی۔یہ دونوں بزرگ قیامِ پاکستان سے بہت پہلے پورے برعظیم (پاک و ہند) میں اپنی فضیلتِ علمی اور شرافتِ نفسی کا لوہا منوا چکے تھے ____ لہٰذا احقر اس زمانہ سے ان بزرگوں کے مداحین میں شامل تھا۔پاکستان میں ہجرت کے بعد ان بزرگوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا بھی موقع میسر آیا۔۔۔ ۲۰۔شوال المکرم ۱۳۹۸ھ کو حضرت ابوالبرکات واصل بحق ہو گئے اور ان کے بعد لاہور میں مسندِ افتا بے وقعت ہو کر رہ گئی۔ ۲۵۔رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ کو حضرت غزالی دوراں مکین خلد بریں ہو گئے، تو عوام اہلِ سنت بالکل بے سہارا ہو گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی ذات گرامی فی الحقیقت مستغنی عنِ الخطاب ہے۔جب ان کا نام نامی آجائے تو خطابات والقابات ان کی قد آور شخصیت سے بہت چھوٹے نظر آنے لگتے ہیں۔ بلاشبہ وہ نابغۂ روزگار علماء میں سے تھے، جو صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔

سال ہا باید کہ تا یک فردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

تحریک پاکستان کے مبلغ اعظم حضرت ابو المحامد سید محمد محدث چشتی، اشرفی، کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبہ آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس (۱۹۴۶ء) کے آخر میں درج ہدایات وتجاویز کی روشنی میں اگر پاکستان کے اندر متفقہ طور پر مرکزی دار الافتاء قائم کیا ہوتا یا کم از کم اہل سنت کو درپیش نت نئے مسائل علمیہ کے حل کے لیے امارتِ شرعیہ قائم کی ہوتی تو یقیناً کاظمی شاہ صاحب اس کے متفقہ طور پر صدر الصدور قرار پاتے اور چھوٹے چھوٹے مولوی اور خود ساختہ مفتی، جو عجیب وغریب باتیں کرتے رہتے ہیں، انھیں اپنی پناہ گاہوں سے باہر جھانکنے کی بھی جرأت نہ ہوتی، مگر وائے افسوس کہ یہاں الٹی گنگا بہنے لگی''۔ (۱)

حکیم صاحب قدس سرہٗ نے مندرجہ بالا اقتباس کے آخر میں جس افسوسناک صورت حال کی جانب اشارہ فرمایا ہے اور جس نازک دور سے ہم گزر رہے ہیں اور اس دور کے نام نہاد مولویوں اور خود ساختہ مفتیوں کے انجام سے آگاہ فرمانے کے بعد حکیم صاحب ایسوں ہی سے عوامِ اہلسنت کو بچنے کی تلقین بھی فرماتے ہیں وہ اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں کہ

''۔۔۔ان سب کا انجام قوم ضرور دیکھے گی۔۔۔اہل السنّت والجماعت کو ان نام نہاد علماء کو جو فی الحقیقت بندگانِ سیم وزر ہیں، اپنے سے دور رکھنا چاہیے تاکہ ان کے منحوس اثرات سے ایمان محفوظ رہ سکے''۔ (۲)

(۱۔۲) محمد موسیٰ حکیم: کچھ باتیں، کچھ یادیں، ابتدائیہ ''گستاخ رسول کی سزا قتل'' (از حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ)، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۳۔۶
اداریہ ماہنامہ مہر وماہ، لاہور جنوری ۱۹۹۱ء

عربی زبان کا مقولہ ہے کہ اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیحِ لِکُلِّ مُسْلِمِ (مسلم کی خیر خواہی ہی دین ہے)۔ حکیم صاحب کی ذات گرامی اس کی عملی تفسیر تھی، مذکورہ بالا مضمون کے آخری پیراگراف میں وہ ہمیں آگاہی بخش رہے ہیں کہ آج ہم جن حالات سے دوچار ہیں اور بالخصوص جب کہ مسلمانوں کی جمعیت (جو اتحاد کی قوت سے وابستہ ہے) تباہ کر دی گئی ہو اور تباہی لانے والے بے حس اور مفاد پرست وہ مولوی حضرات ہی ہوں تو لامحالہ ہمیں پھر اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے ــــ یہ بات حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ آج سے تقریباً بارہ سال قبل فرمائی، لیکن آج کے حالات کے پیش نظر عوام اہل سنت کو ایسے تمام عناصر سے بچنے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر
قضا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری (۱)

محترم سید اویس علی سہروردی، مدیر مجلّہ سہرورد، لاہور اپنے ایک مکتوب مورخہ ۳۰۔ جنوری ۲۰۰۰ء میں محمد صادق قصوری آف برج کلاں کو لکھتے ہیں کہ

''۔۔۔قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر آپ کے تاثرات بڑے قابلِ صد ستائش ہیں مگر ہم بحیثیت ملت، لیڈرشپ کے فقدان سے عرصہ ہوا دوچار تو ہو ہی چکے تھے، آپ کی رحلت نے ہمیں مزید امتحان میں ڈال دیا ہے۔ کیا اب یہ وقت وہی نہیں جب ہمیں قوم یونس علیہ السلام کی طرح توبہ کرنی چاہیے۔ سب سے بڑا عذاب منافقت کا ہے جس نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ عالم یہ ہے کہ جنھیں ہم علما کہتے ہیں وہ علم دوستی

(۱) خیال رہے آج جب کہ یہ مطبوعہ مضمون ۳۲ سال بعد دوبارہ شائع ہو رہا ہے، حکیم صاحب علیہ الرحمہ کی محولہ بالا تحریر کی اہمیت اور زیادہ ہوگئی ہے۔ (ناشر)

اور علم پروری سے کنارہ کش ہو چکے ہیں، تحقیق و تجسس کا مادہ جن میں ہے انھیں عالم ہونے کی ڈگری ہم نہیں دیتے، تو اس کا خمیازہ ہمیں آخر ایک نہ ایک دن بھگتنا تو تھا ہی۔

میں مرکزی مجلس رضا کے بارے قبلہ حکیم صاحب کی وساطت سے تھوڑا بہت متعارف تھا مگر مہر وماہ کے ''یادگارِ موسیٰ'' شمارۂ خاص کو پڑھنے کے بعد حکیم صاحب کے کردار کو بڑا با عظمت جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ انھوں نے بڑے حوصلہ اور تدبر کے ساتھ وقت گزارا ہے وگرنہ جتنا کام وہ مجلس سے علاحدہ ہو کر کر گئے ہیں وہ بھی نہ ہوتا[1] بلکہ مسلک کی بدنامی الگ ہوتی''۔

---

(۱) ''۔۔۔۔۔بہر حال یہ طے شدہ بات ہے کہ ''مولوی'' ہماری پستی اور تنزلی کے ذمہ دار ہیں۔ جب تک ہم اپنے تفہیمی رویوں کو اپنے عہد سے ہم آہنگ نہیں کریں گے اور جب تک ہم روشن خیالی کو فروغ نہیں دیں گے ہم نہ صرف اپنی اکثریت کو کھوتے رہیں گے بلکہ ہمیشہ ''جہلا'' میں ہی شمار ہوتے رہیں گے۔۔۔زمانہ قیامت کی چال چل گیا اور ہم اب بھی اسی پٹی ہوئی قدیم رہگزر و روش پر گامزن ہیں۔ یہ گفتگو میں نے ایک اضطراری کیفیت میں کی ہے جو مسلکِ اہلسنت کے دفاع کے حوالے سے مجھ پر غالب آجاتی ہے اس لیے مجھے معاف کر دیجئے گا۔''

(مراسلہ بنام میاں زبیر احمد مورخہ یکم جون ۲۰۰۰ء از خواجہ رضی حیدر، کراچی)

''خانقاہِ درویش''

مطب حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

جہاں مرکزی مجلس رضا پروان چڑھی!